BNPS301DET

ہندوستانی سیاسی فکر

(Indian Political Thought)

بی۔اے۔(آنرس)

چار سالہ پروگرام

تیسرا سمسٹر (سیاسیات)

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد۔32، تلنگانہ، بھارت

Copyright © 2026, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)

ISBN : **978-81-687130-9-3**
Course : Indian Political Thought
First Edition : July 2026
Copies : 1200
Price : ₹90/- only (Included in the admission fee of distance mode students)

Course Coordinator

Dr. Ishtiyaq Ahmad, Asso. Prof. (Political Science), CDOE, MANUU

Editorial Board/Editors

Prof. Mohd Umar
Former Head, Dept. of Pol. Sci., DBAMU, Chhatrapati Sambhajinagar, Maharashtra

Prof. Mehtab Manzar
Professor (Retd.), Dept. of Political Science, Jamia Millia Islamia, New Delhi

Dr. Ishtiyaq Ahmad (Course Coordinator)
Asso. Prof., Public Administration, CDOE, MANUU, Hyderabad, Telangana

Dr. Mohammed Ghouse
Head, Dept. of Pol.Sc., Govt. Degree College for Women, Hussainialam, Hyderabad, TG

Dr. Md. Shahid Alam
Asst. Prof. (Contratctual), Pol. Sci., CDOE, MANUU, Hyderabad, Telangana

Prof. Mirza Asmer Beg
Former Chairperson, Dept. of Pol. Sci., AMU, Aligarh, Uttar Pradesh

Prof. A. Nageswara Rao
Professor and Head, Dept. of Political Science, MANUU, Hyderabad, Telangana

Dr. Dastagirbasha Chabnur
Assistant Professor, Political Science, CDOE, MANUU, Hyderabad, Telangana

Dr. Naved Ashrafi
Assistant Professor (Contractual), CDOE, MANUU, Hyderabad, Telangana

Dr. Mohd Akmal Khan (Language Editor)
Assistant Professor (Contractual), CDOE, MANUU, Hyderabad, Telangana

Production

Prof. Nikhath Jahan, Professor (Urdu), CDOE, MANUU

Mr. P Habibulla, Assistant Registrar, Purchase & Stores Section, MANUU

Dr. Mohd Akmal Khan, Asst. Prof. (Contractual), CDOE MANUU

Mohd Abdul Naseer, Section Officer, CDOE MANUU

Shaik Ismail, UDC, CDOE, MANUU

Syed Faheemuddin, LDC, Purchase & Stores Section, MANUU

On behalf of the Registrar, published by:

Centre for Distance and Online Education

Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TG), India
Director: dir.dde@manuu.edu.in *Publication:* ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in
CRC prepared by **Dr. Md. Shahid Alam**, CDOE, MANUU, Hyderabad, Telangana
Printed at: **Print Time & Business Enterprises**, Hyderabad, Telangana

فہرست

پیغام	وائس چانسلر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی	5
پیغام	ڈائرکٹر، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم	6
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر (سیاسیات)	7

اکائی	اکائی کا نام	مصنف	صفحہ
1۔	منو	ڈاکٹر محمد اکبر لقادری	9
2۔	کوٹلیہ	ڈاکٹر اشتیاق احمد	24
3۔	باساوننہ	ڈاکٹر محمد غوث	41
4۔	بی آر امبیڈکر	ڈاکٹر محمد شاہد عالم	58
5۔	ویر دامودر ساورکر	ڈاکٹر محمد شاہد عالم	71
6۔	مہاتما گاندھی	ڈاکٹر محمد شاہد عالم	86
	نمونہ امتحانی پرچہ		100

مصنفین کی تفصیلات (Writers' Details)

ڈاکٹر اکبر القادری، الحسن ٹیچرس ٹریننگ کالج، سمستی پور، بہار

ڈاکٹر اشتیاق احمد، اسوشیئٹ پروفیسر، مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم، مانو، حیدر آباد، تلنگانہ

ڈاکٹر محمد غوث، اسوسیٹ پروفیسر، حسینی علم گرلز کالج، حیدر آباد، تلنگانہ

ڈاکٹر محمد شاہد عالم، اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم، مانو، حیدر آباد، تلنگانہ

پروف ریڈرز:

اول	:	ڈاکٹر محمد شاہد عالم
دوم	:	ڈاکٹر محمد نہال افروز
فائنل	:	ڈاکٹر اشتیاق احمد

ٹائٹل پیج : ابراہیم اکرم صدیقی

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (MANUU) 1998 میں پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعے قائم کی گئی۔ یہ ایک مرکزی جامعہ ہے جس نے این اے اے سی کی جانب سے گریڈ +A حاصل کیا ہے۔ اس جامعہ کے قیام کے مقاصد ہیں: (1) اردو زبان کا فروغ، (2) پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کو اردو میڈیم میں قابل رسائی اور دستیاب بنانا، (3) روایتی اور فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے تعلیم فراہم کرنا، اور (4) خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا۔ یہ وہ نکات ہیں جو اس مرکزی جامعہ کو دیگر تمام مرکزی جامعات سے ممتاز کرتے ہیں اور اسے ایک انفرادیت بخشتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری زبانوں اور علاقائی زبانوں میں تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

اردو کے ذریعے علم کے فروغ کا مقصد یہی ہے کہ اردو جاننے والے طبقے کے لیے عصری علوم اور مضامین تک رسائی آسان بنائی جائے۔ ایک طویل عرصے تک اردو میں درسی مواد کی کمی رہی ہے۔ اردو یونیورسٹی کے پاس اب اردو میں 350 سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے اور ہر سمسٹر کے ساتھ اس تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اردو یونیورسٹی این ای پی 2020 کے وژن کے مطابق مادری/گھریلو زبان میں تعلیمی مواد فراہم کرنے کے قومی مشن کا حصہ بننے کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتی ہے۔ مزید یہ کہ اردو بولنے والا طبقہ اردو میں مطالعہ کے مواد کی عدم دستیابی کے سبب نئے اُبھرتے شعبوں اور جدید تر معلومات کے موجودہ میدانوں میں تازہ ترین معلومات واطلاعات کے حصول سے محروم نہیں رہے گا۔ مذکورہ بالا میدانوں میں مواد کی دستیابی کی بدولت حصولِ معلومات کا نیا شعور بیدار ہوا ہے جو یقیناً اردو داں طبقے کی دانشورانہ ترقی پر اثرانداز ہوگا۔

فاصلاتی اور آن لائن طلبہ کے لیے تعلیم وتدریس کے عمل کو سہل بنانے کے لیے یونیورسٹی کا سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) اردو اور متعلقہ مضامین میں خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری کو یقینی بناتا ہے۔

MANUU فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کے لیے SLM بلا معاوضہ فراہم کرتا ہے۔ یہ مواد اُردو کے ذریعے علم حاصل کرنے میں دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لیے برائے نام قیمت پر دستیاب ہے۔ تعلیم تک رسائی کے دائرے کو مزید پھیلانے کے مقصد سے، اردو/ہندی/انگریزی/عربی میں eSLM یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر مفت ڈاؤن لوڈ کے لیے دستیاب رکھا گیا ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ متعلقہ فیکلٹی کی محنت اور مصنفین کے مکمل تعاون کی بدولت FYUG بی۔اے، بی۔ایس سی اور بی۔کام کی کتابوں کی اشاعت کا عمل بڑے پیمانے پر شروع ہو گیا ہے۔ فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کی سہولت کے لیے خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری اور اشاعت کا عمل یونیورسٹی کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے خود تعلیمی مواد کے ذریعے اردو جاننے والے ایک بڑے طبقے کی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہوں گے اور اس یونیورسٹی کے مقصدِ قیام کو پورا کریں گے اور اپنے ملک میں اپنی موجودگی کو جائز ٹھہرا سکیں گے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ!

پروفیسر سید عین الحسن
وائس چانسلر، مانو

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی تعلیم کو دنیا بھر میں ایک نہایت مؤثر اور مفید طریقۂ تعلیم کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ اس طریقۂ تعلیم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے بھی اردو زبان بولنے والے عوام کی تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے قیام کے وقت سے ہی فاصلاتی تعلیم کا طریقہ متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 1998 میں ڈائریکٹوریٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن (نظامتِ فاصلاتی تعلیم) کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور 2004 سے باقاعدہ پروگرام شروع ہوئے، اس کے بعد مختلف شعبہ جات قائم کیے گئے۔

یو جی سی نے ملک میں نظام تعلیم کو مؤثر طور پر منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ (ODL) موڈ کے تحت چلنے والے مختلف پروگرام، جو سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) میں چل رہے ہیں، یو جی سی-ڈی ای بی کے منظور شدہ ہیں۔ یو جی سی-ڈی ای بی نے فاصلاتی اور باقاعدہ تعلیم کے نصاب کو ہم آہنگ کرنے پر زور دیا ہے تاکہ فاصلاتی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے معیار کو بہتر بنایا جاسکے۔ چونکہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ایک دُہرے طرز (ڈوئل موڈ) کی یونیورسٹی ہے جو فاصلاتی اور روایتی دونوں طریقۂ تعلیم کی خدمات فراہم کرتی ہے، اس لیے اپنے مقاصد کو یو جی سی-ڈی ای بی کے رہنما خطوط کے مطابق حاصل کرنے کے لیے اس نے چوائس بیسڈ کریڈٹ سسٹم (CBCS) متعارف کرایا گیا جس کا خود اکتسابی مواد (Self Learning Materials) یو جی سی کے قوانین اور کریڈٹ فریم کے مطابق نئے سرے سے تیار کیے جاچکا ہے۔

سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) کل انیس (19) پروگرام پیش کرتا ہے جن میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلومہ اور سرٹیفکیٹ پروگرام شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تکنیکی مہارتوں پر مبنی پروگرام بھی شروع کیے جارہے ہیں۔ سی ڈی اوای نے جولائی 2025 سے این ای پی-2020 کے مطابق چار سالہ یو جی پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ بی اے، بی ایس سی اور بی کام کے آنرز پروگراموں کو این سی ایف کے مطابق ڈیزائن کیا گیا ہے جس سے طلبہ کو آنرز ڈگری حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ سال 2025-2026 سے ایم بی اے پروگرام او ڈی ایل موڈ میں متعارف کرایا گیا ہے۔

مانو نے طلبہ کی سہولت کے لیے نو ریجنل سنٹرز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور چھ سب ریجنل سنٹرز (حیدر آباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی) کا ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ وجے واڑا میں ایک ایکسٹینشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان ریجنل اور سب ریجنل سنٹروں کے تحت ایک سو پچاس سے زیادہ لرنر سپورٹ سنٹر (LSCs) اور بیس پروگرام سنٹر بیک وقت چلائے جارہے ہیں تاکہ طلبہ کو تعلیمی اور انتظامی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے اور اپنے تمام پروگراموں میں صرف آن لائن موڈ کے ذریعے ہی داخلے فراہم کرتا ہے۔

طلبہ کے لیے سیلف لرننگ میٹیریل (SLM) کی سوفٹ کاپی سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن کی ویب سائٹ پر دستیاب کرائی جاتی ہیں اور آڈیو و ویڈیو ریکارڈنگ کے لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کو ای۔ میل اور واٹس ایپ گروپ کی سہولت بھی فراہم کی جارہی ہے جن کے ذریعے انہیں پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس رجسٹریشن، اسائنمنٹ، کاؤنسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ کاؤنسلنگ کے علاوہ گزشتہ دو برسوں سے طلبہ کے تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے لیے زائد تدارکی (Remedial) آن لائن کاؤنسلنگ بھی فراہم کی جارہی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن تعلیمی اور معاشی طور پر پسماندہ آبادی کو عصری تعلیم کے دھارے میں شامل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے مطابق مختلف پروگرامز میں تبدیلیاں کی گئی ہیں اور توقع ہے کہ اس سے اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ کے نظام کو مزید مؤثر اور کارآمد بنانے میں مدد ملے گی۔

پروفیسر محمد رضا اللہ خان

ڈائرکٹر، سی ڈی اوای، مانو

کورس کا تعارف

عزیز طلبا،

'ہندوستانی سیاسی فکر' سیاسیات کا ایک بنیادی مضمون ہے۔ یہ کتاب خاص طور پر ہندوستانی سیاست کے فلسفیانہ، نظریاتی اور فعال پہلوؤں کے بارے میں اور طلبہ کی سمجھ کو بڑھانے کے لیے ڈیزائن کی گئی ہے اور ہندوستان کے معروف فلسفی کے اصل کام پر تفصیل سے توجہ مرکوز کرتی ہے۔

یہ کتاب قومی تعلیمی پالیسی 2020 کے مطابق بی اے چار سالہ پروگرام کے تیسرے سمسٹر کا ایک بنیادی پرچہ ہے جو 6 اکائیوں پر مشتمل ہے۔ اس کی تیاری میں UGC-DEB کے تمام احکامات اور رہنمایاں اصولوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ پیش کردہ کتاب میں ہندوستانی فلسفی جیسے مہاتما گاندھی، کوٹلیا، باسوناً، امبیڈکر اور ویر دامودر ساور کر کے اہم نظریات اور اور مختلف فلسفہ پر کافی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جس سے طلبا ہندوستانی فلسفی کو آسانی سے سمجھ سکیں گے۔

اس کے علاوہ اس کتاب میں ہر اکائی کو چھوٹے چھوٹے ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر اکائی کے تحت خود اکتسابی نتائج، تجویز کردہ کتابیں ،اپنی معلومات کی جانچ کے لیے سوالات بھی دئے گئے ہیں تاکہ طلبہ وطالبات کو سمجھنے میں آسانی ہو اور وہ اپنی معلومات کو ہر اکائی کے متعلق جانچ سکے۔ اس کتاب کے آخری صفحے پر نمونہ امتحانی پرچہ بھی دیا گیا ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر سماجی علوم خاص طور سے سیاسیات کا مطالعہ کرنے والے طلباء وطالبات کی رہنمائی کرے گی اور ان کے لیے مفید ثابت ہو گی اور ان کی لیاقت وصلاحیت میں اضافہ کرے گی۔

ڈاکٹر اشتیاق احمد
کورس کوآرڈی نیٹر



مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी

MAULANA AZAD NATIONAL
URDU UNIVERSITY

(Accredited Grade "A+" by NAAC)

اکائی 1۔ منواور اس کے سیاسی افکار

(Manu's and his Political Thoughts)

اکائی کے اجزا

1.0 تمہید

1.1 مقاصد

1.2 منو کا مختصر تعارف

1.3 منو کے فکر کی فلسفیانہ بنیادیں

1.4 منو کی کی سماجی اور سیاسی ترتیب

1.5 منو کے نظریات برائے ریاست اور خود مختاری

1.6 منو کے نظریات برائے قانون اور انصاف

1.7 معیشت اور انتظامیہ

1.8 منو کے سیاسی فکر پر تنقید

1.9 منو کے خیالات کی جدید تشریح

1.10 اکتسابی نتائج

1.11 کلیدی الفاظ

1.12 نمونہ امتحانی سوالات

1.12.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات

1.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1.0 تمہید(Introduction)

یہ اکائی منو کے سیاسی فلسفے کا جائزہ لیتی ہے، جو حکمرانی، قانون، انصاف، معیشت اور انتظامیہ کے بارے میں ان کے خیالات پر مرکوز ہے۔ منو کے خیالات، جو منوسمرتی میں بیان کیے گئے ہیں، اخلاقی قیادت، سماجی نظم اور دھرم کی پابندی پر زور دیتے ہیں۔ اس یونٹ میں منو کے بادشاہ کے کردار، ڈنڈا (سزا) کی اہمیت، اور منصفانہ ٹیکس اور وسائل کے انتظام کے اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ، منو کے سیاسی خیالات پر تنقید، خاص طور پر ذات پات اور صنفی عدم مساوات کے حوالے سے، بھی زیر بحث آتی ہے۔ مزید برآں، منو کے خیالات کی جدید تشریحات، بشمول نوآبادیاتی اور اصلاح پسند نقطہ نظر، قیادت اور اخلاقیات پر معاصر مباحث میں ان کی عالمی اہمیت کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس اکائی کے مطالعے سے طلباء قدیم ہندوستانی سیاسی فلسفے اور حکمرانی اور اخلاقیات پر اس کے دیرپا اثرات کو سمجھ سکتے ہیں۔

1.1 مقاصد(Objectives)

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد، آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

- ریاست، قانون، معیشت اور انتظامیہ کے بارے میں منو کے نظریات کو سمجھ سکیں۔
- منو کے انصاف کے تصور اور اس کے دھرم، نفاذ قانون اور سزا سے متعلق تجزیہ کر سکیں۔
- منو کے سماجی و سیاسی نظریات کا تنقیدی جائزہ لے سکیں، بشمول ان کی طاقت اور حدود، خاص طور پر ذات اور حکمرانی کے حوالے سے ہے۔
- منو کے فکر کی جدید تشریحات، بشمول نوآبادیاتی اور اصلاحی نقطہ نظر، اور عصری سیاق و سباق کو دریافت کر سکیں۔
- قدیم ہندوستانی سیاسی فلسفہ اور قانونی اور انتظامی نظاموں پر اس کے اثرات کے بارے میں بصیرت حاصل کر سکیں۔

1.2 منو کا مختصر تعارف (Brief Description of Political Theory)

منو ہندوستانی روایت میں ایک اہم شخصیت ہیں، جنہیں قدیم ہندوستانی متون میں "پہلا قانون ساز" کہا جاتا ہے۔ ہندو مذہب میں انہیں نیم الٰہی شخصیت بھی تصور کیا جاتا ہے، انہیں عام طور پر منوسمرتی کے مصنف کے طور پر جانا جاتا ہے، جو ایک قدیم قانونی اور اخلاقی کتاب ہے جس نے ہندوستانی معاشرے اور حکمرانی پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ منوسمرتی، جسے "قوانینِ منو" بھی کہا جاتا ہے، ایک ایسی ابتدائی تحریر ہے جو طرز عمل، حکمرانی اور سماجی نظم کے اصولوں کو بیان کرتی ہے اور ہندو طریقہ زندگی کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ یہ قدیم ہندوستانی سیاسی اور سماجی فلسفے کا سنگ میل ہے، جو حکمرانی کے روحانی اور دنیوی پہلوؤں کا امتزاج پیش کرتا ہے۔

منوسمرتی کے متن کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، جو انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بات کرتے ہیں، جیسے افراد کے فرائض، حکمرانی، قانون اور انصاف۔ اس کا جامع اور گہرا مواد اسے قدیم ہندوستانی سیاسی فکر میں ایک مرکزی حیثیت دیتا ہے۔ منو کو ایک ایسا فریم ورک

تیار کرنے کے لیے سراہا جاتا ہے جو اخلاقی، قانونی اور انتظامی اصولوں کو یکجا کرتا ہے تاکہ سماجی ہم آہنگی اور استحکام کو یقینی بنایا جا سکے۔ ان کا کام ایک مثالی نظام بنانے کی کوشش ہے جو انفرادی فرائض اور سماجی ذمہ داریوں کے درمیان توازن قائم کرے۔

منو کی سیاسی فکر کی اہمیت اس کی صلاحیت میں ہے کہ وہ خدائی اور انسانی دونوں دائروں کو جوڑنے میں کامیاب رہے۔ انہوں نے ایک ایسی بصیرت پیش کی جس میں حکام دھرم (مذہب) کے مطابق حکمرانی کرتے ہیں، ایک ایسا تصور جو راست بازی، انصاف اور اخلاقی فرض پر مشتمل ہے۔ منو سمرتی میں دھرم پر زور دینے سے حکمرانی کے اخلاقی پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے، جس میں بادشاہ کو صرف حکمران نہیں بلکہ ایک اخلاقی رہنما کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ دوہری حیثیت اس بات پر زور دیتی ہے کہ نظم و نسق قائم رکھنے اور انصاف کو یقینی بنانے میں اخلاقی قیادت کی اہمیت ہے۔

اگرچہ منو کی ہندوستانی سیاسی فکر میں شراکتیں ناقابل انکار ہیں، ان کی وراثت تنازعات سے بھی خالی نہیں ہے۔ ان کی ورنا کے نظام کی وکالت، جو معاشرتی طبقوں میں درجہ بندی کرتی ہے، سماجی عدم مساوات کو فروغ دینے پر تنقید کا شکار ہوئی ہے۔ اسی طرح، خواتین کے کردار اور ان کے سماج میں مقام کے بارے میں ان کے خیالات نے جدید دور میں بحث و مباحثہ اور نیا جائزہ طلب کیا ہے۔ ان تمام تنقیدات کے باوجود، منو کے خیالات آج بھی علمی اور فلسفیانہ تحقیق کا موضوع ہیں، جو ہندوستان میں حکمرانی اور قانون کی تاریخی ارتقا میں بصیرت فراہم کرتے ہیں۔ منو سے منسوب اہم کتب منو سمرتی، مانو دھرم شاستر اور مانو سنہتا ہیں۔

آخر کار، منو ہندوستانی سیاسی فکر کی تاریخ میں ایک اہم شخصیت کے طور پر ابھرتے ہیں۔ ان کی منو سمرتی صرف ایک قانونی کتاب نہیں بلکہ قدیم ہندوستانی معاشرے کی اقدار اور اصولوں کی عکاسی ہے جو انہوں نے تشکیل دی تھی۔ منو کے فلسفے کو سمجھنا حکمرانی، قانون اور سماجی اخلاقیات کی پیچیدگیوں کی کھڑکی فراہم کرتا ہے، جو انہیں سیاسی سائنس کے لیے ایک دیرپا موضوع بناتا ہے۔

1.3 منو کے فکر کی فلسفیانہ بنیادیں (Philosophical Foundations of Manu's Thought)

منو کی سیاسی فکر دھرم کے تصور میں گہرائی سے جڑی ہوئی ہے، جو ان کے خیالات کی فلسفیانہ بنیاد ہے۔ منو کے فلسفے میں دھرم صرف مذہبی یا اخلاقی اصولوں کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک عالمی اصول ہے جو زندگی کے ہر پہلو کو منظم کرتا ہے، بشمول فرد کے برتاؤ، سماجی نظم و نسق، اور حکمرانی۔ منو کے مطابق، دھرم انسان کے عمل اور کائنات کے قدرتی قوانین کے درمیان ہم آہنگی کو یقینی بناتا ہے، جس کی وجہ سے یہ ذاتی ترقی اور سماجی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے۔

مذہب منو کے سیاسی خیالات میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے، کیونکہ ان کا ماننا تھا کہ روحانیت اور سیاست آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ منو کے لیے، ایک منصفانہ اور اخلاقی حکومت کو دھرم کے ساتھ ہم آہنگ ہونا چاہیے، جو روحانی اور اخلاقی اقدار پر مبنی ہے۔ دھرم کی پیروی کرنے سے حکام اور شہری دونوں ایک ایسا معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں جو منصفانہ، متوازن، اور خوشحال ہو۔ سیاست اور مذہب کا یہ امتزاج منو کے عقیدے کی عکاسی کرتا ہے کہ نظم و نسق قائم رکھنے اور افراتفری کو روکنے کے لیے اخلاقی اختیار ضروری ہے۔

منو کا انسان، فطرت کا ایک منفرد تصور بھی تھا۔ ان کا خیال تھا کہ لوگ فطری طور پر اپنے مفادات کے پیچھے چلنے کی کوشش کرتے ہیں، جو کبھی کبھار تصادم کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کا حل پیش کرنے کے لیے، انہوں نے دھرم پر مبنی قوانین اور اصولوں کی ضرورت پر زور دیا تاکہ انسان کے برتاؤ کی رہنمائی کی جا سکے۔ انہوں نے یہ استدلال کیا کہ حکمرانی کو فرد کو اپنی خواہشات پر قابو پانے اور ان کے فرائض پر توجہ مرکوز کرنے میں مدد دینی چاہیے، تاکہ معاشرتی استحکام کو یقینی بنایا جا سکے۔

خلاصہ یہ کہ منو کے فکر کی فلسفیانہ بنیاد دھرم کے اصولوں، حکمرانی میں مذہب کے کردار اور انسانی فطرت کی تفہیم پر استوار ہے۔ یہ خیالات ایک ایسے معاشرے کے لیے اس کے وژن کی بنیاد بناتے ہیں جہاں اخلاقی قیادت اور انفرادی ذمہ داری ہم آہنگی اور انصاف کو برقرار رکھنے کے لیے مل کر کام کرتے ہیں۔

1.4 منو کی سماجی اور سیاسی ترتیب (Manu's Social and Political Order)

منو کے سماجی اور سیاسی خیالات معاشرے کو منظم اور متوازن بنانے پر مرکوز ہیں۔ ان کا ماننا تھا کہ ہر فرد کے مخصوص فرائض اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں جو سماج کی ہم آہنگی اور استحکام میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے منو نے دو اہم نظاموں کی تجویز دی: ورنا (Varna) نظام اور آشرم (Ashrama) نظام۔

ورنا (Varna) نظام ایک سماجی ڈھانچہ ہے جو معاشرتی گروپوں یا طبقات میں تقسیم کرتا ہے، ہر ایک کا اپنا کردار اور ذمہ داری ہوتی ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

1. برہمن (Brahmins) – یہ لوگ تدریس اور مذہبی معاملات میں رہنمائی دینے کے ذمہ دار ہیں اور علم کے محافظ ہیں۔
2. کشتریہ (Kshatriyas) – یہ لوگ معاشرے کی حفاظت، قانون اور نظام کو برقرار رکھنے اور حکمرانی کے ذمہ دار ہیں۔
3. وَیشیہ (Vaishyas) – یہ لوگ تجارت، زراعت اور کاروبار کے ذریعے معیشت کو چلانے کے ذمہ دار ہیں۔
4. شودر (Shudras) – یہ لوگ دوسرے طبقات کی خدمت اور سماج کی ترقی میں اپنے کام سے مدد فراہم کرتے ہیں۔

منو کا ماننا تھا کہ یہ تقسیم لوگوں کی قدرتی صلاحیتوں اور سماج میں ان کے کردار کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ ابتدائی طور پر اس نظام کا مقصد توازن اور تعاون کو فروغ دینا تھا، لیکن بعد میں یہ سخت اور طبقاتی بن گیا، جس کی وجہ سے اس پر عدم مساوات کو فروغ دینے کا الزام عائد کیا گیا۔

آشرم (Ashrama) نظام زندگی کے مختلف مراحل اور ہر مرحلے کے ساتھ منسلک فرائض پر مرکوز ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

1. برہچریا(Brahmacharya)–یہ تعلیمی دور ہوتا ہے، جس میں فرد کو ڈسپلن، تعلیم اور کردار سازی پر توجہ دینی ہوتی ہے۔
2. گھریاستھا(Grihastha)–یہ خاندان کی دیکھ بھال، روزی روٹی کمانے اور سماج کی خدمت کے لیے وقف ہوتا ہے۔
3. واناپرستھا(Vanaprastha)–یہ مادی زندگی سے الگ ہونے اور روحانی ترقی کی تیاری کا دور ہوتا ہے۔
4. سنیاس(Sannyasa)–یہ دنیاوی معاملات سے مکمل طور پر علیحدگی اختیار کر کے روحانی مقاصد کے لیے وقف ہونے کا دور ہوتا ہے۔

منو کا کہنا تھا کہ اگر افراد اپنے ورنا(Varna)اور آشرم(Ashrama) کے فرائض کو بخوبی ادا کریں تو معاشرہ متوازن، پرامن اور خوشحال رہے گا۔ان کا کہنا تھا کہ ہر فرد کا ایک کردار ہوتا ہے اور اس کے فرائض کا احسن طریقے سے ادا کرنا پورے معاشرے کے فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے۔

حکومت کے بارے میں منو کا نظریہ یہ تھا کہ سماجی نظم کو سیاسی نظام کے ساتھ جوڑا جانا چاہیے۔ان کا کہنا تھا کہ حکمران کی بنیادی ذمہ داری دھرم(Dharma) کی حفاظت کرنا اور یہ یقینی بنانا ہے کہ ہر شخص اپنے متعین فرائض کو ادا کرے۔ بادشاہ کو مرکزی اتھارٹی سمجھا جاتا تھا جو نظم کو برقرار رکھنے، تنازعات کو حل کرنے اور انصاف فراہم کرنے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔

اگرچہ منو کا سماجی اور سیاسی نظم ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے تھا، لیکن جدید دور میں اسے طبقاتی نظام کے استحکام کے حوالے سے تنقید کا سامنا ہے، خاص طور پر ورنا(Varna) نظام کی وجہ سے۔تاہم، ان کے خیالات قدیم ہندوستان میں سماج اور حکمرانی کے نظم و ضبط کو سمجھنے کے حوالے سے قیمتی بصیرت فراہم کرتے ہیں۔

معاشرے کا دوسرا پہیہ کہی جانے والی خواتین کو منو نے خاندانی اور سماجی ہم آہنگی کو برقرار رکھنے کے لیے مرکزی قرار دیا، گھریلو انتظام، زچگی اور روایات کے تحفظ میں ان کے کردار پر زور دیا۔ تاہم، اس نے پدرانہ اصولوں کو بھی برقرار رکھا، ان کی آزادی پر پابندیوں اور مردوں کے مقابلے میں غیر مساوی حیثیت کو تقویت دینے کی وکالت کی۔

1.5 منو کے نظریات برائے مملکت اور اقتدار اعلی (Manu's Views on the State and Sovereignty

منو کی سیاسی فکر ریاست کی اہمیت اور نظم و نسق کو برقرار رکھنے میں بادشاہ کے کردار پر زور دیتی ہے۔ منو کے مطابق، ریاست معاشرے کی حفاظت، قوانین کو نافذ کرنے، اور دھرم (صداقت) کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ ان کا خیال تھا کہ مضبوط ریاست کے بغیر معاشرہ انتشار میں مبتلا ہو جائے گا اور لوگ عدم تحفظ اور ناانصافی کا شکار ہوں گے۔

ریاست کا تصور(The Concept of the State)

منو نے ریاست کو ایک خدائی ادارے کے طور پر دیکھا جو دنیا میں نظم و نسق برقرار رکھنے کے لیے بنایا گیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ مملکت کی بنیاد دھرم پر ہونی چاہیے، جو اس کے رہنما اصول کے طور پر کام کرتا ہے۔ ان کے وژن میں، ریاست صرف طاقت اور انتظامیہ کے بارے میں نہیں ہے۔ یہ اصولی اور اخلاقی حکمرانی کے بارے میں بھی ہے۔ ریاست کا بنیادی مقصد انصاف کی فراہمی، عوام کا تحفظ اور ہر فرد کی فلاح و بہبود کو فروغ دینا ہے۔ منوسمرتی راج دھرم یا فن حکمرانی کے مختلف پہلوؤں پر مباحث کرتی ہے۔

بادشاہ کا کردار (The Role of the King)

منو نے بادشاہ کو مملکت کا سربراہ اور آخری اختیار کے طور پر اہمیت دی۔ انہوں نے بادشاہ کو دھرم کا خادم اور عوام کا محافظ قرار دیا۔ بادشاہ کی ذمہ داریوں میں مندرجہ ذیل نکات شامل ہیں:

1. دھرم کا نفاذ: بادشاہ کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ تمام قوانین اور فرائض دھرم کے مطابق ہوں۔ اسے معاشرے میں انصاف، مساوات، اور اخلاقی رویے کو فروغ دینا چاہیے۔
2. عوام کا تحفظ: بادشاہ کو اپنے شہریوں کو دشمنوں، مجرموں اور کسی بھی قسم کے نقصان سے بچانا چاہیے۔ اسے سیکیورٹی اور استحکام فراہم کرنا چاہیے۔
3. قوانین کا نفاذ: بادشاہ کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ ہر شخص ریاست کے قوانین کی پابندی کرے۔ اسے گناہگاروں کو سزا دینا اور جو لوگ دھرم کی پیروی کرتے ہیں ان کو انعام دینا چاہیے۔

منو نے اس بات پر بھی زور دیا کہ بادشاہ کو منصفانہ، نظم و ضبط کا حامل اور بے لوث ہونا چاہیے۔ اسے حکمت، ہمدردی، اور اپنے لوگوں کے تئیں فرض شناسی کے ساتھ حکومت کرنی چاہیے۔ مؤثر طریقے سے حکومت کرنے میں اس کی مدد کرنے کے لیے، بادشاہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ قابل وزیر اور مشیر مقرر کرے جو فیصلہ سازی میں اس کی رہنمائی کریں۔

وزراء کی کونسل (Council of Ministers)

منو نے بادشاہ کی مدد کے لیے وزراء کی اہمیت پر زور دیا۔ یہ وزراء باشعور، ایماندار اور ریاست کی فلاح و بہبود کے لیے پر عزم ہونا چاہیے۔ یہ حکمرانی، انتظامیہ اور دفاع کے معاملات پر مشورہ دیتے ہیں۔ منو کا خیال تھا کہ مشیروں کی ایک اچھی ٹیم کے ساتھ، بادشاہ بہتر فیصلے کر سکتا ہے اور زیادہ مؤثر طریقے سے حکومت کر سکتا ہے۔

منو کا نظریہ اقتدار اعلیٰ (Manu's Idea of Sovereignty)

منو کا اقتدار اعلیٰ کا تصور اس خیال سے جڑا ہوا ہے کہ بادشاہ دھرم سے بالاتر نہیں ہے۔ بادشاہ کو اعلیٰ اختیار حاصل ہو سکتا ہے، لیکن وہ دھرم کے اصولوں کا پابند ہے اور اسے اپنے لوگوں کے مفاد میں حکومت کرنی چاہیے۔ منو کے مطابق خود مختاری مطلق طاقت کے بارے میں نہیں ہے۔ یہ ذمہ داری اور خدمت کا معاملہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ، منو کے خیالات ریاست اور خود مختاری پر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بادشاہ کی ذمہ داری دھرم کو برقرار رکھنا، اپنے لوگوں کا تحفظ کرنا، اور انصاف کی فراہمی کو یقینی بنانا ہے۔ ان کے خیالات نے قدیم ہندوستانی سماجی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے استحکام اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے اخلاقی اور ایتھیکل قیادت کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

منو کے مطابق بین مملکتی تعلقات (Interstate Relations According to Manu)

منو سمرتی کے مطابق بین مملکتی تعلقات کی بنیاد دھرم، راج دھرم اور اخلاقی اصولوں پر قائم ہے۔ منو ریاست کو ایک اخلاقی اکائی تصور کرتے ہیں جس کا بنیادی مقصد عوام کی فلاح، انصاف اور پائیدار امن کا قیام ہے۔ منو کے نزدیک ریاستی تعلقات صرف طاقت پر نہیں بلکہ اخلاقی ذمہ داریوں پر بھی استوار ہونے چاہئیں۔

منو کے مطابق پڑوسی ریاستیں فطری طور پر حریف سمجھی جاتی ہیں، جبکہ دور دراز کی ریاستیں ممکنہ اتحادی ہو سکتی ہیں۔ حکمران کو چاہیے کہ وہ حالات، طاقت کے توازن اور ریاستی مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے صلح، اتحاد، جنگ یا غیر جانبداری میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے۔ جنگ کو منو نے آخری حل قرار دیا ہے اور اس سے پہلے سفارت کاری، مذاکرات اور معاہدات کو ترجیح دی گئی ہے۔

فتح کے بعد بھی فاتح حکمران پر لازم ہے کہ وہ مغلوب عوام کے ساتھ انصاف، رحم اور انسانی سلوک روا رکھے۔ اسی طرح ریاستوں کے مابین تعلقات میں وعدوں کی پابندی، اخلاقی ذمہ داری اور اعتماد کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

منو نے خارجہ پالیسی کے حوالے سے بادشاہ کے لیے چند عملی رہنمایانہ اصول بھی متعین کیے ہیں، جن کے مطابق:

- بادشاہ کا اولین فرض امن قائم کرنا ہے۔
- دشمن کے ساتھ جنگ اسی وقت کرے جب اسے اپنی طاقت اور فوجی برتری کا یقین ہو۔
- اگر حالات موافق ہوں تو دشمن کے خلاف فوجی مارچ کرے۔
- جب وہ طاقت میں کمزور ہو تو غیر جانبداری اختیار کرے۔
- اگر دشمن زیادہ طاقتور ہو تو کسی دوسرے طاقتور بادشاہ سے پناہ یا اتحاد حاصل کرے۔
- حالات کے تقاضوں کے مطابق مختلف بنیادوں پر معاہدات کرے۔

مختصراً، منو کے نزدیک بین مملکتی اور بین الاقوامی تعلقات کا کامیاب نظام وہی ہے جو طاقت، اخلاق، دھرم اور انصاف کے باہمی امتزاج پر قائم ہو، کیونکہ اسی کے ذریعے پائیدار امن اور ریاستی استحکام ممکن ہے۔

1.6 منو کے نظریات برائے قانون اور انصاف (Manu's Views on Law and Justice)

منو کا خیال تھا کہ قانون اور انصاف ایک منظم اور پرامن معاشرے کی بنیاد ہیں۔ ان کے نظریات ان موضوعات پر خاص طور پر منو سمریتی (Manusmriti) میں ملتے ہیں، جہاں انہوں نے تنازعات کے حل، مجرموں کی سزا دینے اور نظم و ضبط قائم رکھنے کے لیے تفصیل

سے رہنمائی فراہم کی۔ منو کے مطابق، انصاف کا تعلق دھرم (Dharma) سے بہت مضبوط ہے، اور مملکت کے قوانین کو ہمیشہ اس کے مطابق ہونا چاہیے۔

قانون کا تصور (Concept of Law)

منو نے قانون کو ان اصولوں اور ضوابط کا مجموعہ قرار دیا جو فرد کی زندگی اور معاشرتی تعلقات کو منظم کرتے ہیں۔ یہ قوانین نہ صرف قانونی ہیں بلکہ اخلاقی اور روحانی بھی ہیں، کیونکہ یہ دھرم سے جڑے ہوئے ہیں۔ منو نے قوانین کو دو اقسام میں تقسیم کیا:

1. خدائی قانون (Divine Law (Shruti and Smriti): یہ قوانین مذہبی متون جیسے ویدوں اور منو سمریتی سے آتے ہیں اور انہیں دائمی اور عالمگیر سمجھا جاتا ہے۔
2. انسانی قانون (Human Law (Vyavahara Dharma): یہ قوانین بادشاہ اور اس کے مشیروں کی جانب سے بنائے جاتے ہیں تاکہ حکمرانی اور معاشرتی مسائل کے عملی تقاضوں کو پورا کیا جا سکے۔

منو نے یہ زور دیا کہ خدائی اور انسانی قوانین دونوں کو معاشرتی انصاف اور ہم آہنگی کے قیام کے لیے ایک ساتھ کام کرنا چاہیے۔

انصاف کا انتظام (Administration of Justice)

منو کا خیال تھا کہ انصاف کو منصفانہ، غیر جانبدار اور فوری طور پر فراہم کیا جانا چاہیے۔ انہوں نے انصاف دینے کی ذمہ داری بادشاہ کو دی، جو ریاست کا چیف جج ہوتا ہے۔ بادشاہ کی توقع تھی کہ ہر فرد کو انصاف ملے، چاہے ان کا سماجی درجہ کچھ بھی ہو۔ اس کام میں مدد کے لیے، منو نے ججوں اور عدالتوں کے تقرر کی تجویز دی۔ ججوں کو دھرم، قانون اور اخلاقی اصولوں کا گہرا علم ہونا ضروری تھا۔

انصاف کے اصول (Principles of Justice)

منو نے انصاف دینے کے لیے کئی اصول وضع کیے:

1. قانون کے سامنے سب کی برابری (Equality before Law): ہر شخص، بشمول بادشاہ کے، کو قانون کی پیروی کرنی چاہیے۔ تاہم، سزائیں مجرم کی سماجی حیثیت اور ذمہ داریوں کے مطابق مختلف ہوتی تھیں، کیونکہ منو کا ماننا تھا کہ سزا کو جرم اور اس کے سیاق و سباق کے مطابق ہونا چاہیے۔
2. سزا بطور انسداد جرم (Punishment as a Deterrent): منو نے ڈنڈا (Danda) کے تصور کو متعارف کرایا تاکہ بدعنوانی کو روکا جا سکے اور نظم و ضبط قائم رکھا جا سکے۔ ان کا خیال تھا کہ مناسب سزا سے مجرم کی اصلاح ہوتی ہے اور دوسرے افراد بھی جرم کرنے سے گریز کرتے ہیں۔
3. صداقت اور شہادت (Truth and Evidence): منو نے عدالتی کارروائیوں میں سچائی کی اہمیت پر زور دیا۔ گواہوں سے سچی گواہی کی توقع کی جاتی تھی، اور مقدمات کا فیصلہ کرنے میں ثبوت اہم ہوتا تھا۔ جھوٹی گواہی دینا سنگین جرم سمجھا جاتا تھا۔

تنازعات کی اقسام(Types of Disputes)

منو نے قانونی تنازعات کو دو بنیادی اقسام میں تقسیم کیا:

1. سول تنازعات(Civil Disputes): یہ جائیداد، قرض، معاہدے اور وراثت جیسے مسائل سے متعلق ہوتے ہیں۔
2. مجرمانہ مقدمات(Criminal Cases): ان میں چوری، حملہ اور قتل جیسے جرائم شامل ہیں۔ منو نے ان جرائم کے لیے تفصیلی سزائیں دی ہیں تاکہ انصاف اور روک تھام کا توازن برقرار رکھا جا سکے۔

سزائیں اور ان کا مقصد(Punishments and Their Purpose)

منو کا خیال تھا کہ سزا کو جرم کے مطابق اور فرد کی اصلاح کے لیے ہونا چاہیے۔ انہوں نے سزاؤں کو چار اقسام میں تقسیم کیا:

1. اصلاح(Admonition) ہلکی سزا یا نصیحت کم جرم کے لیے۔
2. جرمانہ(Fines) کم سنگین جرائم کے لیے مالی جرمانہ۔
3. جسمانی سزا(Physical Punishment) سنگین جرائم جیسے چوری یا حملے کے لیے۔
4. جلاوطنی یا سزائے موت(Exile or Death Penalty) انتہائی معاملات میں جہاں معاشرتی تحفظ خطرے میں ہو۔

منو نے سزا کو محض انتقام کے طور پر نہیں، بلکہ معاشرتی تحفظ اور امن قائم رکھنے کے لیے ایک طریقہ کے طور پر دیکھا۔

انصاف اور دھرم(Justice and Dharma)

منو کے انصاف کے تصور کا مرکزی خیال یہ تھا کہ یہ دھرم کے مطابق ہونا چاہیے۔ منو کے مطابق انصاف صرف قواعد کے نفاذ کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ ہم آہنگی سے زندگی گزاریں اور اپنے معاشرتی فرائض کو پورا کریں۔ بادشاہ اور ججوں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ حکمت، ہمدردی اور انصاف کے ساتھ دھرم کو قائم رکھیں۔

منو کے قانونی نظریات پر تنقید(Criticism of Manu's Legal Ideas)

اگرچہ منو کے قانون اور انصاف کے نظریات نے قدیم بھارت کے لیے ایک منظم نظام فراہم کیا، لیکن ان پر تنقید بھی کی گئی، خاص طور پر ذات پات کے نظام کے حق میں ہونے کے سبب۔ جدید دانشوروں کا کہنا ہے کہ ان کے کچھ اصول عدم مساوات کو فروغ دیتے تھے۔ تاہم، ان کے نظریات نے معاشرتی نظام کو قائم کرنے اور اخلاقی اقدار کے ساتھ قانونی فریم ورک کو تشکیل دینے کی ابتدائی کوششیں دکھائیں۔ آخر کار، منو کے قانون اور انصاف کے نظریات کا مقصد نظم و ضبط قائم کرنا، دھرم کو تحفظ دینا اور انصاف کو فروغ دینا تھا۔ ان کے اصول، اگرچہ قدیم دور کے ہیں، عدالتی نظام کی ابتدائی ترقی اور اخلاقی اقدار کے ساتھ ان کے تعلق کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

1.7 معیشت اور انتظامیہ (Economy and Administration)

معیشت اور انتظامیہ کے بارے میں منو کے خیالات مناسب حکمرانی، معاشی تنظیم اور وسائل کے اخلاقی انتظام کے ذریعے معاشرے کے ہموار کام پر زور دیتے ہیں۔ ان کے خیالات ایک مربوط نقطہ نظر کی عکاسی کرتے ہیں۔

منو کے خیالات معیشت اور انتظامیہ پر زور دیتے ہیں کہ معاشرے کا ہموار چلنا مناسب حکمرانی، اقتصادی تنظیم اور وسائل کے اخلاقی انتظام کے ذریعے ممکن ہے۔ ان کے خیالات ایک مربوط نقطہ نظر کو ظاہر کرتے ہیں جہاں اقتصادی استحکام اور انتظامی کارکردگی کو سماجی ہم آہنگی اور خوشحالی کے قیام کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے۔

معاشی اصول (Economic Principles)

منو کا خیال تھا کہ معیشت کو معاشرے کے تمام افراد کی فلاح و بہبود کی حمایت کرنی چاہیے۔ انہوں نے تجارت، زراعت، ٹیکس، اور دولت کی تقسیم کے لیے رہنما اصول وضع کیے، تاکہ اقتصادی سرگرمیاں دھرم کے مطابق ہوں۔

1. زراعت اور تجارت (Agriculture and Trade): منو نے زراعت کو معیشت کی ریڑھ کی ہڈی قرار دیا اور اس کی اہمیت پر زور دیا کہ یہ معاشرے کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ انہوں نے منصفانہ تجارتی طریقوں کی تجویز دی اور دھوکہ دہی اور قیمتوں کی ہیرا پھیری جیسے غیر اخلاقی معاملات سے بچنے کی تنبیہ کی۔ تاجروں اور کاروباری افراد سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ تجارتی سرگرمیوں میں انصاف کو برقرار رکھیں۔
2. دولت اور اس کا استعمال (Wealth and Its Use): منو کے مطابق، دولت کو صرف جمع نہیں کیا جانا چاہیے بلکہ دوسروں کی فلاح کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے۔ ضرورت سے زیادہ لالچ یا دولت کا ذخیرہ کرنا ناپسندیدہ تھا۔ انہوں نے معاشرے کو خیرات دینے اور عوامی فلاح کی حمایت کرنے کا تصور پیش کیا۔
3. ٹیکس (Taxation): منو نے ایک منصفانہ ٹیکس نظام وضع کیا، جس کے تحت بادشاہ ٹیکس جمع کرتا تھا تاکہ انتظامیہ چل سکے اور عوامی خدمات فراہم کی جا سکیں۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ ٹیکس معقول ہوں اور عوام پر بوجھ نہ ڈالیں۔ بادشاہ کو ٹیکس کی آمدنی کو سمجھداری سے استعمال کرنے کی ہدایت دی تاکہ سلطنت کی ترقی ہو سکے۔

انتظامی ڈھانچہ (Administrative Structure)

منو کے انتظامی خیالات اس بات پر مرکوز ہیں کہ ایک مرکزی اور مؤثر حکومت قائم کی جائے جو بادشاہ کی قیادت میں ہو۔ انتظامیہ اس بات کو یقینی بنانے کے لیے منظم تھی کہ انصاف، قانون کی عملداری اور اقتصادی استحکام قائم ہو۔

1. بادشاہ کا کردار(Role of the King): بادشاہ مرکزی اختیار تھا جو حکمرانی اور نظم وضبط کو برقرار رکھنے کا ذمہ دار تھا۔ اس سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ عوام کا نگہبان بنے، ان کی حفاظت اور فلاح کو یقینی بنائے۔ اس کے انتظامی فرائض میں تنازعات کا حل، سلطنت کا تحفظ اور اقتصادی خوشحالی کو فروغ دینا شامل تھا۔
2. وزیروں اور افسران کی اہمیت(Ministers and Officials): منو نے اس بات پر زور دیا کہ بادشاہ کے معاونین کے طور پر اہل اور ایماندار وزیروں کا تقرر کیا جائے۔ یہ افسران حکمرانی کے مختلف پہلوؤں جیسے خزانہ، دفاع، زراعت اور قانون کے نفاذ کو سنبھالنے کے ذمہ دار تھے۔ منو نے مشورہ دیا کہ وزیروں کا انتخاب قابلیت، وفاداری اور علم کی بنیاد پر کیا جائے۔
3. آمدنی اور وسائل کا انتظام(Revenue and Resource Management): انتظامیہ ریاست کے وسائل کو مؤثر طریقے سے منظم کرنے کی ذمہ دار تھی۔ اس میں آمدنی جمع کرنے اور عوامی خدمات جیسے انفراسٹرکچر، تعلیم اور صحت کے لیے توازن قائم کرنا شامل تھا۔

ملازمت اور املاک کا تحفظ(Protection of Property and Labor)

منو نے املاک کے حقوق کے تحفظ اور مزدوروں کے ساتھ منصفانہ سلوک کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے اس متعلق نے مندرجہ ذیل امور کی حمایت کی:

1. املاک کے حقوق(Property Rights): افراد کو املاک رکھنے اور وراثت میں منتقل کرنے کی اجازت تھی، لیکن انہیں اس کا ذمہ دارانہ استعمال کرنے کی توقع کی جاتی تھی۔ زمین یا املاک کے تنازعات کو قانونی طریقے سے حل کیا جاتا تھا۔
2. منصفانہ اجرت اور کام کے حالات(Fair Wages and Working Conditions): منو نے اس بات پر زور دیا کہ مزدوروں اور کارکنوں کے ساتھ منصفانہ سلوک کیا جانا چاہیے اور ان کی خدمات کے بدلے مناسب اجرت ملنی چاہیے۔ کارکنوں کا استحصال نہ کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا اور آجروں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اخلاقی طریقوں کو اپنائیں۔

معاشی انصاف(Economic Justice)

منو کا خیال تھا کہ معاشرتی اقتصادی توازن برقرار رکھنا ضروری ہے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ تمام طبقوں کی معاشی ضروریات کو پورا کرنا چاہیے تاکہ کوئی بھی بنیادی ضروریات سے محروم نہ ہو۔ منو کا معاشی انصاف کا تصور اس خیال پر مبنی تھا کہ دولت اور وسائل کا استعمال معاشرے کی فلاح کے لیے ہونا چاہیے۔

1. فوجی اور دفاعی انتظامیہ (Military and Defense Administration)

منو نے سلطنت کو بیرونی خطرات سے بچانے کے لیے ایک مضبوط دفاعی نظام کو برقرار رکھنے کی اہمیت پر بھی بات کی۔ انتظامیہ فوجی تنظیم کی ذمہ دار تھی، شہریوں کی حفاظت اور سلطنت کی سرحدوں کا تحفظ کرنے کے لیے۔ سپاہیوں کو سخت نظم وضبط پر عمل کرنے اور دھرم کے مفاد میں کام کرنے کی توقع تھی۔

2. انتظامیہ میں اخلاقی قیادت (Ethical Leadership in Administration)

منو کی انتظامی فلسفہ کا ایک اہم پہلو اخلاقی قیادت پر زور دینا تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ حکمران کو حکمت، ہمدردی اور انصاف کے ساتھ حکمرانی کرنی چاہیے۔ بدعنوانی اور طاقت کے غلط استعمال کی مذمت کی گئی تھی کیونکہ یہ معاشرے کے استحکام کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

1.8 منو کے سیاسی فکر پر تنقید (Criticism of Manu's Political Thought)

منو کے سیاسی نظریات، اگرچہ قدیم زمانے میں اہم تھے، ان کی سخت اور غیر مساوی نوعیت کی وجہ سے تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک بڑی تنقید ذات پات کے نظام پر ان کا زور ہے، جس نے میرٹ کی بجائے پیدائش کی بنیاد پر کردار اور مراعات تفویض کیں۔ اس سے سماجی عدم مساوات اور امتیازی سلوک ہوا، خاص طور پر نچلی ذاتوں اور خواتین کے خلاف۔

منو کے حکمرانی کے اصول مذہب سے بہت زیادہ متاثر تھے، جن میں سے کچھ کا کہنا ہے کہ سیاست کو روحانی عقائد کے ساتھ ملایا گیا، جس سے ترقی پسند اور سیکولر طرز حکمرانی محدود ہو گئی۔ ان کے انصاف کے تصور کو بھی غیر مساوی ہونے کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا، کیونکہ سزائیں ذات اور سماجی حیثیت کے لحاظ سے مختلف تھیں۔

مزید برآں، منو کی سیاسی فکر میں لچک اور جدت کا فقدان تھا، جس کی وجہ سے یہ جدید، جمہوری معاشروں پر کم لاگو ہوتی ہے جو مساوات اور انسانی حقوق کو اہمیت دیتے ہیں۔ جب کہ ان کے خیالات کا مقصد نظم ونسق کو برقرار رکھنا تھا، وہ اکثر ایک درجہ بندی کے ڈھانچے کو فروغ دیتے تھے جسے عصر حاضر میں اب فرسودہ اور غیر منصفانہ سمجھا جاتا ہے۔ منو نے سیاست کو ایک علیحدہ اور خود مختار شعبے کے طور پر پیش کرنے کے بجائے اسے مذہب سے وابستہ کیا اور اسے وسیع تر سماجی واخلاقی مفادات کے فروغ کا ذریعہ بنایا۔ تاہم اس عمل کے نتیجے میں برہمن طبقے کو ایک ممتاز اور برتر حیثیت حاصل ہوئی۔

1.9 منو کے خیالات کی جدید تشریح (Modern Interpretation of Manu)

منو کے خیالات کو جدید دور میں مختلف زاویوں سے دوبارہ سمجھا گیا ہے۔ نوآبادیاتی حکمرانی کے دوران، برطانوی ماہرین منوسمرتی کو قدیم ہندوستانی قانون کی نمائندگی کرنے والے قانونی متن کے طور پر دیکھتے تھے۔ انہوں نے اسے پالیسیاں بنانے کے لیے استعمال کیا، لیکن ان کی تشریح نے اکثر ذات پات کی تقسیم پر زور دیتے ہوئے منو کے نظریات کو آسان اور مسخ کر دیا۔

اصلاح پسند، جیسے راجہ رام موہن رائے اور بی آر۔ امبیڈکر نے منو پر ذات پات کی بنیاد پر عدم مساوات اور صنفی امتیاز کو فروغ دینے پر تنقید کی۔ تاہم، کچھ اصلاح پسندوں نے فرسودہ طریقوں کو ترک کرتے ہوئے اخلاقی اور حکمرانی کے اصولوں کو نکالنے کی ضرورت کو اجاگر کیا۔ انہوں نے منوسمرتی کو جدید معاشرے کے لیے ایک رہنما کے بجائے ایک تاریخی دستاویز کے طور پر دیکھا۔

عالمی سطح پر، منو کے خیالات کو انصاف، قیادت، اور دھرم کے حوالے سے معاشرے کو اخلاقی طور پر تشکیل دینے کی ابتدائی کوشش کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اسکالرز قدیم قانونی اور انتظامی نظام کو سمجھنے میں ان کی اہمیت پر بحث کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کے کئی خیالات کو قدیم اور غیر متعلقہ سمجھا جاتا ہے، لیکن اخلاقی قیادت اور سماجی ہم آہنگی پر ان کا زور فلسفیانہ مباحث میں آج بھی قدر رکھتا ہے۔

1.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں طلبا نے،

- مملکت، قانون، معیشت اور انتظامیہ کے بارے میں منو کے نظریات کو جانا۔
- منو کے انصاف کے تصور اور اس کے دھرم، نفاذ قانون اور سزا سے متعلق امور کا مطالعہ کیا۔
- منو کے سماجی و سیاسی نظریات کا تفصیلی جائزہ لیا۔
- منو کے فکر کی جدید تشریحات، نوآبادیاتی اور اصلاحی نقطہ نظر، اور عصری سیاق و سباق میں ان کی مطابقت کو سمجھا۔
- قدیم ہندوستانی سیاسی فلسفہ اور قانونی اور انتظامی نظاموں پر اس کے اثرات کو جانا۔

1.8 کلیدی الفاظ (Key Words)

ذات پات کا نظام: قدیم ہندوستان میں ایک درجہ بندی کا سماجی ڈھانچہ جہاں افراد کو پیدائش کی بنیاد پر طبقات میں تقسیم کیا جاتا تھا، جو معاشرے میں ان کے کردار اور مراعات کا تعین کرتے تھے۔

دھرم: ایک اخلاقی ضابطہ جو انفرادی رویے اور معاشرتی فرائض کو کنٹرول کرتا ہے، راستبازی اور انصاف پر زور دیتا ہے۔

سزا (ڈنڈا): امن و امان کو برقرار رکھنے کے لیے سزاؤں کا ایک نظام، جس کا مقصد جرم کی روک تھام۔

1.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model of Examination Questions)

1.9.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات (Objective Answer Type Questions)

1. منو کے مطابق، بادشاہ کا بنیادی فرض یہ ہے کہ:

(a) دولت جمع کرنا (b) دھرم کو برقرار رکھنا (c) تجارت کو فروغ دینا (d) علاقے کو وسعت دینا

2. منو نے قانون اور انصاف کی بنیاد کو مندرجہ ذیل میں سے کیا سمجھا؟

(a)طاقت (b)دھرم (c)سزا (d) مساوات

3. منو نے قوانین کو مندرجہ ذیل میں کس میں تقسیم کیا ہے؟

(a)مذہبی اور شہری قوانین (b)الہی اور انسانی قوانین (c)تحریری اور زبانی قوانین (d)قدیم اور جدید قوانین

4. منو کی اصطلاح جو نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لیے سزا کے لیے استعمال کی جاتی ہے، کیا ہے؟

(a)ڈنڈا۔ (b)دھرم (c)کرما (d)نیایا

5.املاک کے حقوق کے بارے میں منو کا نظریہ شامل ہے:

(a)صرف اجتماعی ملکیت (b)ذمہ داریوں کے ساتھ انفرادی ملکیت

(c)کل ریاستی کنٹرول (d)جائیداد کے حقوق نہیں ہیں

6. منو کے نظام میں انصاف فراہم کرنے کا ذمہ دار کون تھا؟

(a)بادشاہ (b)تاجر (c)پادری (d)فوج

7. مفکرین کے کس گروہ نے منو پر عدم مساوات کو فروغ دینے پر تنقید کی؟

(a)نوآبادیاتی علماء (b)اصلاح پسند جیسے B.R امبیڈکر (c)عالمی ماہرین اقتصادیات (d) قانونی ماہرین

8. منو نے تجویز کیا کہ سزائیں یہ ہونی چاہئیں:

(a)سب کے لیے برابر (b)جرم کے متناسب (c)سخت اور شدید (d) سزائیں بالکل نہیں

9. مندرجہ ذیل میں منو کی انتظامیہ کیسی ہے؟

(a)غیر مرکزی حکمرانی۔ (b)بادشاہ کے تحت مرکزی اختیار (c)وزراء کو مکمل اختیار (d)مندرجہ بالا میں کچھ نہیں

10. منو کی تنازعات کی درجہ بندی کیا ہے؟

(a)مذہبی اور مجرم (b)دیوانی اور فوجداری (c)معاشی اور قانونی (d)مقامی اور ریاستی سطح

1.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Question)

1. منو کی سیاسی فکر میں دھرم کا کردار بیان کیجئے۔

2. منو امن وامان کو برقرار رکھنے میں سزا(ڈنڈا) کے تصور کی وضاحت کیسے کرتا ہے؟ بحث کیجئے۔

3 ٹیکس اور معاشی انتظام کے بارے میں منو کے کیا خیالات تھے؟ قلم بند کیجئے۔

4. ذات پات کے نظام پر زور دینے کے لیے منو پر تنقید کیوں کی جاتی ہے؟ وضاحت کیجئے۔

5 . نوآبادیاتی علماء نے منو کے سیاسی نظریات کی تشریح کیسے کی؟ مختصر روشنی ڈالیئے۔

1.9.3 طویل جوابات کے حامل سولات (Long answer Type Questions)

1. منو کے ریاست اور حکمرانی کے تصور کی وضاحت کرتے ہوئے، بادشاہ اور اس کی انتظامیہ کے فرائض اور ذمہ داریوں کو اجاگر کیجئے۔

2. دھرم کے کردار، قوانین کی درجہ بندی، اور سزا (ڈنڈا) کی اہمیت پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے، قانون اور انصاف کے بارے میں منو کے نظریات پر تبادلہ خیال کیجئے۔

3. منو کی سیاسی فکر کی تنقیدوں کا تنقیدی جائزہ لیجیے، خاص طور پر ذات پات کے نظام اور جدید معاشرے پر اس کے اثرات کے بارے میں۔

معروضی سوالات کے جوابات:

1۔ (b)	2۔ (b)	3۔ (d)	4۔ (a)	5۔ (b)	6۔ (a)	7۔ (b)	8۔ (b)	9۔ (a)	10۔ (a)

اکائی 2۔ کوٹلیا

(Kautilya)

اکائی کے اجزا:

2.0	تمہید
2.1	مقاصد
2.2	کوٹلیا کی حیات اور خدمات
2.3	کوٹلیا کا مملکت کا نظریہ
2.4	بادشاہی نظام
2.5	بادشاہ کی ذمے داریاں
2.6	کوٹلیا کا سپتنگا نظریہ
2.7	نظریہ مملکتی پالیسی یا کوٹلیا کا منڈل کا نظریہ
2.8	شش گانہ خارجہ پالیسی
2.9	سفارتکاری
2.10	اکتسابی نتائج
2.11	کلیدی الفاظ
2.12	نمونہ امتحانی سوالات
2.12.1	معروضی جوابات کے حامل سوالات
2.12.2	مختصر جوابات کے حامل سوالات
2.12.3	طویل جوابات کے حامل سوالات

2.0 تمہید (Introduction)

کوٹلیا ہندوستانی سیاسی فکر کی تاریخ کا ایک مشہور اور واحد سیاسی مفکر تھا۔ اس کا شمار دنیا کے اہم سیاسی مفکرین میں ہوتا ہے۔ وہ ایک سیاست داں، فلسفی اور ارتھ شاشترا کا مصنف اور ارسطو کا معاصر تھا۔ کوٹلیا کو ہندوستان کا عظیم ماہر معاشیات تسلیم کیا جاتا ہے۔ کوٹلیا کو چانکیا اور شنو گپت کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ وہ موریا شہنشاہ چندر گپتا کا مشیر وزیر اعظم اور موریا سلطنت کا بانی تھا۔ اس کو شہنشاہ چندر گپت کا استاد بھی کہا جاتا ہے۔

کوٹلیا کی پیدائش کو لے کر دانشور اور مفکرین میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ایسا تسلیم کیا جاتا ہے کہ کوٹلیا کی پیدائش (345-BC300) میں مگدھ ریاست میں ہوئی تھی۔ کچھ دانشور کوٹلیا کی پیدائش جنوبی ہند میں تو کچھ تکشیلا (Takshila) مانتے ہیں۔ چونکہ کوٹلیا کے ذریعے قلم بند کی گئی کتاب ''ارتھ شاشترا'' (Arthshastra) کی سبھی نقول جنوبی ہند میں دستیاب تھیں لہٰذا کچھ دانشور کوٹلیا کو جنوبی ہند کا برہمن مانتے ہیں۔ جب کہ کچھ مفکرین یہ منطق پیش کرتے ہیں کہ کوٹلیا کی ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک تکشیلا جو اس وقت پاکستان میں واقع) میں ہوئی ہے، کچھ کوٹلیا دانشور کو گاندھارا علاقہ کے آس پاس کا رہنے والا مانتے تھے، کچھ لوگ یہ مانتے ہیں کہ کوٹلیا کی پرورش اور تعلیم جامعہ نالندا میں ہوئی تھی لیکن کوٹلیا کی تحریر سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ انہیں ان دھاتوں، نباتیات اور ادویات کا علم تھا جو گاندھارا علاقہ میں ہی دستیاب تھیں۔

کچھ دانشوران کی پیدائش مگدھ یعنی بہار مانتے ہیں۔ جب کہ کچھ دانشوروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوٹلیا پاٹلی پوتر کا مقامی ہوتے ہوئے بھی علم ادویات اور دھاتوں کا علم سیکھنے گاندھارا گیا ہو۔ گاندھارا اس وقت علم ادویات کا مرکز تھا۔ اس کے علاوہ کچھ دانشور نیپال کی ترائی کے کسی موریہ وغیرہ علاقہ کو مانتے ہیں لیکن بودھ، جین ادب اور دیگر ذرائع کی بنیاد پر یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ کوٹلیا کا پیدائشی مقام تکشیلا تھا اور انہوں نے تکشیلا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد تکشیلا یونیورسٹی میں وہ پروفیسر ہو گئے تھے۔ اس کے برعکس کچھ ماہرین اور دانشور نالندا یونیورسٹی کو اس کا تعلیمی مرکز مانتے ہیں۔

2.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ:

- کوٹلیا کی حیات و خدمات کا مطالعہ کریں گے۔
- قدیم ہندوستانی سیاسی فکر سے متعلق کوٹلیا کے اصولوں کا مطالعہ کریں گے۔
- کوٹلیا کے سیاسی تجاویز کے مختلف عناصر کو سمجھ جائیں گے۔
- کوٹلیا کے اصولوں کا تنقیدی جائزہ لیں گے۔

2.2 کوٹلیا کی حیات اور خدمات (Life and Contributions of Kautilya)

کوٹلیا کی ''ارتھ شاشترا''، علم سیاسیات اور نظم ونسق کی ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔ اس کی ''ارتھ شاشترا'' کے 15 ابواب کی مختصر تفصیلات درج ذیل ہیں۔

1. پہلے باب میں مملکت اور بادشاہ سے متعلق بحث کی ہے۔ اس میں بادشاہ کے ساتھ ڈیل کا ذکر کیا گیا ہے جیسے وزیروں کی صلاحیت اور لیاقت، جاسوسوں کی تقرری، وزیروں کی تقرری اور تربیت وغیرہ۔
2. دوسرے باب میں اس نے نظم ونسق سے متعلق شعبوں پر بحث کی ہے۔ اس میں انتظامیہ کے مختلف افسران کے فرائض کی وضاحت اور ریاستوں کی سرگرمیوں کی ایک مکمل تصویر پیش کی گئی ہے۔
3. تیسرا باب عدالتی نظام سے متعلق ہے۔ اس میں سماج میں برائی پھیلانے والوں کے خلاف کارروائی، مقدموں کی سماعت اور فیصلہ، قانون اور انصاف سے متعلق اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔
4. چوتھا باب نظم ونسق عامہ نیز جرائم اور امن سے متعلق بحث کرتا ہے۔
5. پانچواں باب حکومت کے ملازموں کے فرض منصبی سے متعلق ہے۔ حکام کی تنخواہ سمیت موضوعات کا ایک احاطہ کیا گیا ہے۔
6. چھٹا باب مملکت کے ساتھ جزؤں کی تفصیل وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ دشمن ملکوں کو اپنے قابو میں کرنے کے طریقے سے متعلق تفصیل سے وضاحت کرتا ہے۔
7. ساتواں باب بیرونی پالیسی، بین الاقوامی، خارجہ پالیسی اور اس کی خصوصیات سے متعلق ہے۔
8. آٹھواں باب مملکت کے مصیبتوں کے بنیادی وجوہات اور انہیں ختم کرنے کے طریقے کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔
9. نواں باب مملکت کے بنیادی مسائل اور مشاکل، ان کے اسباب وعوامل اور ان کے اجالے کی تدبیر طریقہ کار پر مشتمل ہے۔
10. دسواں باب میں جنگ سے متعلق اصول و قواعد کا بیان کیا گیا ہے۔
11. گیارہواں باب دوسرے ملکوں اور بادشاہوں کے ساتھ صلح اور معاہدہ کے مواقع کی نشاندہی کرتا ہے۔
12. بارہواں باب مملکت کی حفاظت کا طریقہ بیان کرتا ہے اور کمزور بادشاہ کو ایک طاقتور بادشاہ سے حفاظت کرنے کا طریقہ بتاتا ہے۔
13. تیرہواں باب مملکت کی حفاظت کے اصولوں سے متعلق ہے۔
14. چودھواں باب دشمن کے ساتھ برتاؤ کا طریقہ اور اس کے خلاف جاسوسی نظام سے متعلق ہے۔
15. اس باب میں ارتھ شاشترا کی عام طور پر چیزوں کے بارے میں تحریر کیا گیا ہے۔

ارتھ شاشترا کا پہلا، دوسرا، پانچواں اور چھٹا باب ہندوستان کے نظم ونسق کا مطالعہ کرنے کے اعتبار سے کافی اہم مانا جاتا ہے۔

2.3 کوٹلیا نظریہ مملکت (Kautilya's Conception of the State)

مملکت انسان کی زندگی کی فلاح کے لیے ایک ضروری اور ایک فلاحی ادارہ ہے۔ کوٹلیا کے مطابق انسان کی زندگی مملکت نامی ادارہ میں ہی ممکن ہے۔ اگرچہ کوٹلیا نے اپنی کتاب ''ارتھ شاشترا'' میں مملکت کی ابتدا کے کسی قانون قاعدہ اور نظریہ کو پیش نہیں کیا ہے۔ پھر بھی کوٹلیا کے ذریعے ظاہر کیے گئے خیالوں کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ مملکت کی ابتدائی بنیاد سماجی معاہدہ ہے۔ اس نے اپنی کتاب ''ارتھ شاشترا'' میں صرف اتنا ذکر کیا ہے کہ جب سماج میں بد نظمی یا لا قانونیت پھیل گئی ہو تو لوگ ایک ایسی طاقتور شخصیت کی ضرورت محسوس کرنے لگے جو سماج کی بد نظمی کو جڑ سے ختم کر سکے اور قصوروار کو سزا دے سکے۔ ان سب حالات سے نپٹنے کے لیے عوام نے آپس میں معاہدہ کیا جس کے نتیجے میں مملکت کی ابتدا ہوئی۔ کوٹلیا نے کہا ہے کہ جس طرح بڑی مچھلی چھوٹی کو نگل جاتی ہے پرانے زمانے میں ویسے ہی طاقتور شخصیت نے غریب مزدوروں کا رہنا دشوار کر دیا ہے۔ اس ناانصافی سے بچنے کے لیے عوام نے آپس میں مل کر معاہدہ کیا اور منو کو اپنا بادشاہ منتخب کیا اور اپنے غلہ کا 1/6 اور اپنی تجارت کا 1/10 محصول کے طور پر اور تھوڑا سونا بادشاہ کے طور پر اسے دینے کے لیے تیار ہوئے۔ اس کے بدلے میں حکمران نے اپنی رعایا کی حفاظت کی پوری ذمے داری اپنے ذمہ لے لیا۔

کوٹلیا کے مطابق فطری یا قدرتی حالات کے انسانوں نے ایک طاقتور شخصیت راجا اس لیے منتخب کیا کہ جس سے اپنی ذمے داری، معاشیات اور کام کو حاصل کرنے اور پیداوار میں اضافہ کرنے میں مدد مل سکے اور انسانوں کی جان و مال کی حفاظت ہو سکے۔ اگر بادشاہ عوام کے ذریعے دی ہوئی اس طاقت کا استعمال غلط طریقہ سے کرتا ہے تو عوام کو یہ بھی حق (اختیار) حاصل ہے کہ وہ بادشاہ کو اس کے عہدہ سے معزول کر دیں۔ اور کسی اور شخص کو بادشاہ منتخب کر لیں۔ کوٹلیا نے مملکت کی ابتدا کے بارے میں تفصیل سے نہیں لکھا ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہابس (Hobbes) کی طرح مملکت کی سماجی معاہدہ نظریہ کا حامی ہے۔ مملکت کا سماج میں اہم کردار ہوتا ہے اور کوٹلیا نے مملکت کے عوامی فلاحی بہبود نظام کا ذکر کیا ہے۔

2.4 بادشاہی نظام (System of Monarchy)

منو کا کہنا ہے کہ بادشاہ خدا کا بھیجا ہوا نمائندہ ہوتا ہے۔ کوٹلیا بھی منو کے نظریہ کا زوردار حامی ہے۔ کوٹلیا بھی نظریہ تخلیق باری کا حامی ہے۔ اس نظریے کے مطابق جس طرح خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے اس طرح انسان پر حکمرانی کرنے کے لیے مملکت کو بھی تخلیق کیا ہے۔ اس نظریے کے مطابق حکمران کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے حکمران سے بغاوت خدا سے بغاوت ہے۔ بادشاہ زمین پر خدا کا نمائندہ ہوتا ہے۔ بادشاہ اپنے عمل کے لیے صرف خدا کے علاوہ کسی اور کا جوابدہ نہیں ہوتا ہے۔ اور عوام بادشاہ کے اختیار پر نہ تو کوئی سوال کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے خلاف بغاوت کر سکتے ہیں۔ کوٹلیا بھی اس نظریہ کا حامی ہے اس کے مطابق خدا ان لوگوں کو سزا دیں گے جو لوگ بادشاہ کی عزت نہیں کریں گے۔ بادشاہ کی بے عزتی خدا کی بے عزتی ہے۔ شاہی حکومت کو کوٹلیا سب سے بہتر حکومت تسلیم کرتا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ بادشاہ کا انتخاب نہیں ہوتا۔ اس نے اپنی ارتھ شاشترا میں دو قسم کی حکومت کا ذکر کیا ہے۔ (Davairajya) سلطنت کے ہر فرد کے ذریعے حکومت کی

جائے گی۔اور وہ دوسری قسم کی حکومت (Vairajaya) کا ذکر کرتا ہے۔جو بیرونی حکمران کے ذریعے کی جائے گی جس نے سلطنت پر اپنی طاقت کے ذریعے قبضہ کر رکھا ہے۔اور جو قانونی یا جائز حکمراں کو اپنی ہی طاقت کی بنیاد پر ہٹادے۔

کوٹلیا نے بادشاہی حکومت کے اعلیٰ عہدہ دار کی درج ذیل خصوصیات بیان کی ہیں۔

- بادشاہ کو ہر طرح کی تعلیم، نظم ونسق اور سائنس کا علم ہونا چاہیے۔اپنی رعایا کے لیے بہتر حکمرانی کو نافذ کرنے والا ہو۔
- وہ مملکت کا پہلا شہری ہوگا۔اور رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرے گا۔ ایک معیاری بادشاہ میں اعلیٰ درجہ کے قائد کی تمام خصوصیت موجود ہونی چاہیے۔ایک بادشاہ کے پاس اچھا ذہن ہو، توانائی اور سبھی ذاتی خصوصیات موجود ہونی چاہیے۔
- وہ جو فیصلہ لے اس پر عمل کرے اس کو تبدیل نہ کرے۔اس کا ہر فیصلہ آخری ہونا چاہیے۔وہ مضبوط اور طاقتور ہو اس کے پڑوسی ملک اس کی طاقت سے گھبراتے ہوں۔بادشاہ اپنے پڑوسی ہم منصب سے طاقتور اور مضبوط ہونا چاہیے۔
- بادشاہ کو قابل وزیروں کو منتخب کرنا چاہیے۔بادشاہ اپنے عوام کی فلاح بہبود اور ان کی خوشی کے لیے کام کرے گا۔
- بادشاہ دیانت دار یا عادل ہونا چاہیے اور اپنے رعایا کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنا چاہیے۔
- وہ ہوس، غصہ (Anger)، حرص (Greed)، انا (Vanity) تکبر اور شہوت پر قابو رکھے۔یہ بادشاہ کے دشمن ہیں۔انہیں ان چیزوں سے بچنا چاہیے۔ بادشاہ کو دوسروں کی بیویوں اور مال و دولت پر بری نظر نہیں ڈالنی چاہیے۔اور شراب وغیرہ بری عادت سے پرہیز کرے۔
- بادشاہ کو فضول خرچی سے بھی گریز کرنا چاہیے۔بادشاہ کو اپنی حفاظت کا خیال رکھنا چاہیے۔اس لیے کوٹلیا بادشاہ کو ہر انسان پر چوکس نظر رکھنے کی بات کرتے ہیں۔چاہے وہ انسان بادشاہ کی شریک حیات اور اولاد ہی کیوں نہ ہوں۔
- بادشاہ کو مذہبی رہنماؤں سے ملاقات کرنے کے وقت بھی حفاظت کے حوالے سے چوکس رہنا چاہیے۔بادشاہ کو رانی سے ملاقات کرنے کے وقت ضعیف داسیوں کو بھی اپنے پاس رکھنا چاہیے۔بادشاہ کو اپنے درباریوں پر کڑی نظر رکھنی چاہیے اور اپنی صحت کی جانچ اپنے ذاتی ڈاکٹروں سے کراتے رہنا چاہیے۔

2.5 بادشاہ کی ذمہ داریاں (Duties of the King)

کوٹلیا نے ''ارتھ شاشترا'' میں بادشاہ کو سب سے زیادہ طاقتور اور بااختیار حیثیت کا مالک قرار دیا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ بادشاہ کو ان اختیارات کا استعمال رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے کرنا چاہیے۔بادشاہ عوام کا محافظ ہوتا ہے اس لیے بادشاہ کو چاہیے کہ وہ اپنی رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرے۔کوٹلیا اس کو رکچھنا (Rakchna) یا پالنا کہتا ہے۔بادشاہ اپنی رعایا کی حفاظت قدرتی آفت وبلا (Natural Calamities) اور سماج مخالف عناصر (Antisocial Elements) سے بھی کرتا ہے۔بادشاہ کی سب سے بڑی ذمے داری رعایا کو خوش رکھنا ہے۔اس کا قول ہے کہ رعایا کی خوشحالی میں بادشاہ کی خوشحالی ہے رعایا کی فلاح و بہبود میں ہی بادشاہ کی فلاح و بہبود ہے۔جو کچھ بادشاہ کو پسند ہو وہ اسے نہیں بلکہ جو رعایا کو پسند ہو اسے دلچسپی ہونی چاہیے۔بادشاہ کو رعایا کے لیے اسکولوں، اسپتالوں اور دواخانوں کی تعمیر کرانا

چاہیے۔ زراعت جانوروں کی نسل افزائش، صنعت اور تجارت کو فروغ دینا چاہیے۔ بیواؤں، یتیموں، بیماروں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنا چاہیے۔ رعایا کے معیار زندگی کو بلند کرنا بادشاہ کی ذمے داری ہے۔ تحصیل علم کے لیے طالب علموں کو سہولت فراہم کرنا چاہیے اور حسب ضرورت ان کو وظیفہ دینا چاہیے۔ دانشوروں کی عزت اور مدد اور ہر طرح کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے جن کسانوں کے پاس زمین نہیں ہے ان کو زمین مہیا کرانا چاہیے۔ امیر لوگوں پر اضافی ٹیکس لگا کر مملکت کے خزانہ کی آمدنی میں اضافہ کرنا چاہیے اور اسے غریب لوگوں میں تقسیم کروانا چاہیے۔

2.6 کوٹلیا کا نظریہ سپتنگا (The Saptanga Theory of Kautilya)

اس وقت کے دانشور مملکت کو ایک زندہ ادارہ مانتے ہیں۔ ہندوستانی دانشوروں نے یہ مانا ہے کہ سپتانگ مملکت کا تصور ایک زندہ جسم کا تصور ہے جس کے سات عضو ہوتے ہیں۔ کوٹلیا نے بھی مملکت کے سات اعضا کو تسلیم کرتے ہیں یہ ساتوں اعضا مل کر مملکت کی تعمیر کرتے ہیں۔ جو کوٹلیا کے مطابق سپتنگا اصول کے نام سے جانا جاتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

1. سوامی (بادشاہ) (Swamy-King)
2. آماتیہ (وزیر) (Minister-Amatyas)
3. جنپد (علاقہ) (Janpada-Territory)
4. دُرگ یا قلعہ (Fort)
5. کوشا (محاصل) (Kosha-Treasury)
6. ڈنڈ (فوج) (Royal Seeptrear/ Danda)
7. مترا (دوست) (Mitra/Allies)

کوٹلیا ہندوستانی سیاست کا واحد مفکر ہے جس نے مملکت کی بہت واضح تعریف کی ہے۔ کوٹلیا کے مطابق، سوامی، آمتیا، جنپد، کوشا، ڈنڈ، مترا وغیرہ ان سات اعضاء سے مل کر اس کی تعمیر ہوتی ہے۔ ان ساتوں اعضا سے مملکت کا سیاسی توازن قائم ہوتا ہے۔ سوامی کے ذریعے سیاسی اختیار کا استعمال کیا جاتا ہے۔ آمتیا کا کام مملکت کے کاموں میں بادشاہ کو رائے مشورہ دینا ہوتا ہے۔ جنپد کے ذریعے عوام اور علاقہ کی معلومات فراہم کی جاتی ہے۔ کوشا یا خزانہ (Treasury) مملکت کی زندگی اور حیات ہے۔ ڈنڈا کا کام حفاظت، قانون قاعدہ اور عوام کو انصاف دلانا ہوتا ہے۔ اور مترا ایک ملک کے دوسرے ملک سے تعلقات کے اصول واضح کرتا ہے اور جنگ وغیرہ کے آداب واخلاق کی تشخیص کرتا ہے۔ کوٹلیا نے جو مملکت کے سات عضو بتائے ہیں وہ اپنے آپ میں مکمل ''ارتھ شاشترا'' کے چھٹے حصہ کے پہلے کا ذکر درج ذیل طرح سے کیا جاسکتا ہے۔

1۔ سوامی (Swami): قدیم ہندوستان میں بادشاہت کو سب سے زیادہ قبول کیا جاتا تھا اور یہ حکومت کی ایک قسم کے طور پر قبول کیا جاتا تھا۔ بادشاہ مملکت کے مترادف ہوتا تھا۔ کوٹلیا کے مطابق بادشاہ سلطنت کا حقیقی مقتدر اعلیٰ اور اسی کے پاس ہی ریاست کے سبھی اقتدار اور اختیار ہوتا تھا۔ اس کا قول ہے کہ بادشاہ اور ریاست پراکرتی (سات اعضا) کا خلاصہ ہے۔ اس کے مطابق مملکت کا اعلیٰ عہدہ دار بادشاہ ہوتا ہے۔ بادشاہ مملکت کا نشان ہوتا ہے مملکت کو بادشاہ سے پہچانا جاتا ہے۔ سات اعضا (Parakrtis) کو بادشاہ ہی ہدایت دیتا ہے اور اس کو اپنی مرضی کے مطابق شکل یا شباہت دیتا ہے۔ اس لیے اس کا کہنا ہے کہ بادشاہ ہی مملکت کا پہلا اہم جز ہے۔ بادشاہ مملکت انتظامی نظام کو چلانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ بادشاہ انتظام کا مرکزی دھری ہوتا ہے۔ بادشاہ مملکت کے اہم عہدہ پر فائز رہتا ہے۔ اور تمام انتظامی کاموں کو بادشاہ ہی انجام دیتا ہے۔ اسی لیے کوٹلیا نے بادشاہ کو سوامی کا لقب دیا ہے۔ حکومت کی کامیابی اور عوام کی خوشحالی بڑی حد تک بادشاہ پر انحصار کرتی ہے۔ چونکہ کوٹلیا حقیقت پسندانہ خیال کا حامی تھا اس لیے بادشاہ کو پیدائشی بہت ساری خصوصیت کا مالک قرار دیتا ہے جو عام انسان میں نہیں ہوتی ہیں۔ اس کا قول ہے کہ بادشاہ سبھی خصوصیت کا مالک ہوتا ہے پھر بھی حکمراں کو (Vinaya) تربیت دینا لازمی ہے۔

کوٹلیا زور دے کر کہتا ہے کہ ایک بادشاہ کو فلسفہ (Anvikshi) تمام وید (Trayi) معاشیات (Vartta) اور علم سیاسیات (Dandniti) وغیرہ کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اس کو ان تمام چیزوں کی اچھی طرح معلومات ہونی چاہیے۔ بادشاہ کو مختلف تجارت اور پیشوں کے اصول کا علم ہونا چاہیے۔ تاہم وہ بادشاہ کو فلسفہ (Anviksi) کا مطالعہ کرنے کے لیے سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ بادشاہ کے لیے تین فلسفیانہ نظام جیسے Yoga، Samkhya اور Lokuyata کا علم ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ کوٹلیا کہتا ہے کہ بادشاہ کو اپنے آپ کو یا اپنے ہوش کو قابو کرنے کے لیے طاقت ہونی چاہیے۔ بادشاہ کو تمام برائیوں جیسے ہوس، غصہ اور فخر بغض سے بچنا چاہیے۔ کوٹلیا کا ماننا ہے کہ کوئی بھی حکمران پیدائشی اچھا حکمران نہیں ہوتا بلکہ اس کو اچھی تربیت کے ذریعے اچھا حکمراں بنایا جاسکتا ہے۔ کوٹلیا کے مطابق ایک اچھا بادشاہ وہ ہے جس کو یہ خواہش ہو کہ وہ نئی چیزیں سیکھے۔ دوسروں کی باتوں کو نظرانداز نہ کرے۔ اپنی باتوں پر برقرار رہنے والا۔ اچھی طرح سمجھنے اور علم کو ظاہر کرنے، غلط خیالات کا انکار کرنے والا ہو اور حقیقی باتوں کو نافذ کرے۔ ایک باشعور بادشاہ وہ ہوتا ہے جو بہادر (Valorous) مستقل مزاج اور تیز طرار ہو۔ ایک آزاد ملک کے بادشاہ کے پاس مختلف طرح کے فرائض ہوتے ہیں جیسے وہ وزراء کا تقرر

کرے، عوام کی حفاظت کرے، عوام کو انصاف دلائے اور غلط لوگوں کو سزا دے۔ عوام کی خوشی ہی بادشاہ کی خوشی ہے۔ اگر عوام خوشحال ہوگی تو بادشاہ حکومت کر سکتا ہے۔

2۔آمتیا (Amatya): ریاست کا دوسرا اہم جز ہے۔ بادشاہ کے بعد مملکت کا دوسرا اہل کار اگر کسی اہمیت کا حامل ہے تو وہ آمتیا یا وزرا ہیں لیکن کوٹلیا مختلف معنوں میں آمتیا (وزیر) کی طرف اشارہ کرتا ہے عام طور پر آمتیا سے مراد وزرا کی کونسل ہے۔ لیکن اس کے مطابق آمتیا کا مطلب وزیر اور انتظام ہے۔ یہ انتظامیہ کی نظر سے اہم ہے۔ اس کا قول ہے کہ آمتیا بادشاہ کا وزیر ہوتا ہے جو بادشاہ کا مشیر، مددگار ہدایت دینے والا ہوتا ہے اس لیے اس کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ریاستی امور یا ریاست کی تمام سرگرمیاں صرف بادشاہ کے ذریعے مکمل نہیں کی جاسکتی ہیں جب تک کہ وزیران کی مدد نہیں کرتا۔ اس نے کہا ہے کہ جس طرح گاڑی کا ایک پہیا دوسری پہیئے کی مدد کے بغیر نہیں چلایا جاسکتا۔ اس طرح ریاست بھی وزیر کے بغیر بادشاہت نہیں چلا سکتا۔ یا وزرا کا تقرر کرے اور ان کے مشورہ کو اچھی طرح سماعت فرمائے۔

3۔جنپدا:(Territory and People) کوٹلیا کے مطابق یہ مملکت کا تیسرا اہم جز ہے۔ اس نے ''ارتھ شاشترا'' میں جنپد کی نوعیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جنپد میں علاقے اور آبادی شامل ہونی چاہیے۔ علاقہ کم از کم 100 گاؤں اور زیادہ سے زیادہ پانچ سو گھروں پر مشتمل ہونا چاہیے اور ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کے درمیان ایک یا زیادہ سے زیادہ دو میل کا فاصلہ ہونا چاہیے تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ ایک دوسرے کی مدد کر سکیں۔ جنپد کا قیام ندی، تالابوں، جنگلوں، پہاڑیوں کے نزدیک ہو۔ جنپد ایسا ہو جہاں کافی اناج کی پیداوار ہوتی ہو۔ پڑوسی بادشاہ کمزور ہو جنگلوں میں ہاتھی کی تعداد زیادہ ہو۔ آب و ہوا اچھی ہو، قیمتی چیزوں کی فروحت ہوتی ہو، اچھے انسان قیام کرتے ہوں۔ عوام وفادار اور خدمت گزار ہو۔ اور شہریوں میں قومیت کوٹ کر بھری ہو۔ کوٹلیا کا قول ہے کہ بادشاہ کو دوسرے ملکوں سے لوگوں کو دعوت دے کر اپنے ملک کی آبادی میں اضافہ کر کے پرانے یا نئے جنپد کو بسانا چاہیے۔ کوٹلیا انتظامی نقطہ نظر سے جنپد کو چار مختلف حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔

جنپد کی سب سے چھوٹی اکائی گرام کہلاتی ہے۔ ایک بلاک 10 گاؤں پر مشتمل ہوتے تھے جسے سنگرہن (Sangrahana) کہا جاتا تھا۔ 200 گاؤں پر مشتمل بلاک کو یا علاقہ کو کھارواٹک (Kharvatik) اس طرح انتظامی نقطہ نظر سے جنپد استھانی، دودنامکھ کھاروٹک، سنگرہن اور گاؤں میں تقسیم رہے گا۔ اور 400 گاؤں پر مشتمل علاقہ کو درونامکھی (Dronamukh) اور 800 گاؤں پر مشتمل علاقہ کو استھانیہ (Asthaniya) کہا جاتا تھا۔ اس طرح انتظامی نقطہ نظر سے جنپد استھانیہ، درونامکھ، کھارواٹک، سنگراھن اور گاؤں میں تقسیم ہوتا تھا۔ کوٹلیا کے مطابق ''انسان کے بغیر کوئی بھی پردیش کوئی بھی جنپد نہیں کہلا سکتا اور جنپد کے بغیر کوئی بھی زمین مملکت نہیں کہلا سکتی ہے۔

- جنپدا
- Ashthaniya(800 گاؤں پر) استھانیہ

- (400گاؤں پر)Dronamukhدورنامکھ
- (200گاؤں پر)Kharvatikکھارواٹک
- (10گاؤں پر)Sangrahnaسنگرہنا

کوٹلیا کا خیال تھا کہ انتظامی کام اور آمدنی کی وصولی کی نظر سے جنپد کو چار مختلف حصوں میں تقسیم کر دینا چاہیے۔ شاید کوٹلیا چھوٹی ریاست کے حامی تھے چونکہ کوٹلیا مرکزی حکومت کو ترجیح دیتے تھے لیکن لامرکزیت اور خود مختاری کے بھی حامی تھے۔

4۔ درگ یا قلعہ (Fort): کوٹلیا نے درگ کو مملکت کا چوتھا اہم جز تسلیم کیا ہے۔ اس کے مطابق مضبوط درگ / قلعہ مستقل مملکت بنیاد ہوتا ہے۔ جس مملکت کا درگ یا قلعہ ہی نہیں مضبوط ہوگا۔ اس مملکت کا بادشاہ ہی نہیں بلکہ عوام بھی ڈری اور سہمی رہے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مملکت کی ترقی ٹھیک طریقہ سے نہیں ہو پائے گی۔ کوٹلیا کا کہنا ہے کہ بادشاہ کو اپنے ملک کے چاروں طرف ایسے درگ کی تعمیر کرانی چاہیے جو بیرونی حملہ سے بادشاہ اور مملکت کو مکمل طور سے حفاظت کرے۔ درگ کی اہم خاصیت مملکت کی حفاظت اور حملہ دونوں میں ہی مملکت کی حفاظت کرنا ہے۔ کوٹلیا کا ماننا ہے کہ درگ کوش اور فوج کی بھی حفاظت کرتے ہیں۔ مصیبت کے وقت میں درگ جنپد کے لوگوں کے لیے پناہ لینے کی جگہ ہو جاتی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ بادشاہ کو اپنی مملکت کی حفاظت کے لیے حاشیاتی پردیشوں میں درگ کی تعمیر کروانا چاہیے۔ کوٹلیا نے چار قسم کے دُرگوں (قلعوں) کے بارے میں اس نے ''ارتھ شاشترا'' میں واضح طریقے سے ذکر کیا ہے۔

- آدیکادرگ(Audika Durga or Water Fort):اس درگ کے چاروں طرف پانی ہوتا ہے۔ بیچ میں ایک درگ ایک ٹاپو کی شکل کا ہوتا ہے۔ یعنی بڑے اور گہرے تالابوں سے گھرا بیچ کا مقام اور کا درگ(Audiak Durga) کہلاتا ہے۔
- پروت درگ(Parvata Durga or Hills Fort): یہ دوسرے قسم کا درگ پروت درگ کہلاتا ہے۔ پروت درگ اس درگ کو کہتے ہیں جس کے چاروں اطراف پہاڑوں اور بڑی چٹانوں وغیرہ سے گھرے ہوتے ہیں اور یہ اندھیری گفاؤں کی طرح ہوتے ہیں۔
- دھانونادرگ(Dhanvana Durga or Desert Fort): تیسرے قسم کا درگ دھانونادرگ کہلاتا ہے۔ یہ درگ ریگستانوں میں بنایا جاتا ہے۔ اس کے آس پاس پانی، گھاس اور درخت وغیرہ کا نام ونشان تک نہیں ہوتا ہے۔
- ون درگ(Vana Durga or Forest Fort): چوتھے قسم کا درگ ونادرگ کہلاتا ہے۔ ون درگ کے چاروں اطراف دلدل یا کانٹے دار جھاڑ سے گھرے ہوتے ہیں۔ پہلے دو درگ ہنگامی صورت حال میں جنپد کی حفاظت کے لیے کار آمد ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بادشاہ بھی ان دونوں قلعوں میں ہنگامی حالات میں پناہ لے سکتا ہے۔ اس میں دھانوں ناں درگ اور ون درگ دن پانوں کی حفاظت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

5۔ کوشا یا خزانہ(Kosha or Treasury): مملکت کا وجود اور اس کی ترقی قدیم زمانے سے لے کر جدید زمانے میں کسی نہ کسی طرح

محاصل سے منسلک ہے، خزانہ یا کوشا کے بغیر مملکت کا وجود قائم نہیں رہ سکتا ہے۔اور مملکت اپنے انتظامی اور دیگر کاموں کو خزانہ کے بغیر نہیں کر سکتا ہے۔ مملکت کی سر گرمیوں کا بنیاد محاصل کو ہوتا ہے۔اس کے بغیر مملکت کے کام مکمل نہیں ہو سکتے۔اس کا کہنا ہے کہ مذہب، معاش او رکام ان تینوں میں معاش ہی اہم ہے۔ دیکھا جائے تو مذہب اور کام بھی اس پر منحصر ہیں۔ کوٹلیا کے مطابق مذہب کے بغیر انسان اپنی عام ذمے داریوں کو نبھا نہیں سکتا ہے۔اور یہ ممکن نہیں ہے کہ معیشت کے بغیر مملکت کو چلایا جاسکے۔ فوجیں اور خوشحالی وغیرہ کو خزانے کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ کوٹلیا کا کہنا ہے کہ خزانہ کبھی بھی خالی نہیں رہنا چاہیے یہ ہمیشہ مال وزر سے بھرا ہونا چاہیے۔

اس کا خیال ہے کہ فوج صرف کوشا لیکن کوشا فوج اور درگ دونوں کی حفاظت کرتی ہے۔اس نے ''ارتھ شاشترا'' میں سانیدھاتا (Sannidhata) کا ذکر کیا ہے جس کی ذمے داری یہ ہے کہ وہ کوشا گرہا (Koshagriha) یا محاصل گھر کی تعمیر کرے وسائل کا اضافہ کرے اور بادشاہ کو اس چیز کا علم ہونا چاہیے کہ مملکت کے محاصل میں کتنا خزانہ (دولت) ہے۔ بادشاہ کو ہر طرح کی پیداوار کے لیے حوصلہ افزائی کرنا چاہیے۔ تجارت اور کاروبار میں کوشش یہ ہو کہ خزانہ میں برابر اضافہ ہوتا رہے اور ٹیکس وقت سے وصول کرنا چاہیے کو ادھکشیا (Koshadhyaksha) سے یہ توقع کی جانی چاہیے کہ مملکت کے ٹیکس وصولی کے سلسلے میں کسی طرح کے قاعدہ قانون کی خلاف ورزی نہیں کرے۔ وہ مملکت کے ٹیکس کے متعلق وہ کسی بھی طرح کی غلطی نہیں کرے۔

6۔ڈنڈایا فوج (Danda or Army): ڈنڈا یا فوج مملکت کا چھٹا اہم جز ہے۔ کوٹلیا کے مطابق ڈنڈا سے مراد فوج ہے۔اس نے ڈنڈا لفظ کا استعمال فوج کے لیے ہی کیا ہے جس کا اہم کام باہری حملوں سے مملکت کی حفاظت کرنا اور مملکت کے اندرونی معاملوں میں امن قائم کرنا ہوتا ہے۔ کوٹلیا فوج کو مملکت کے لیے بہت ہی اہم مانتے ہیں۔اس کا کہنا ہے کہ ایک مضبوط مملکت کے لیے ایک مضبوط فوج کا ہونا لازمی ہے۔ جس مملکت کی مضبوط فوج ہوتی ہے اس مملکت کے دشمن بھی اس کے دوست بن جاتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ بادشاہ کو مملکت کی حفاظت کے لیے ایک منظم اور مضبوط فوج رکھنا چاہیے۔ بادشاہ کو چاہیے کہ وہ فوجیوں کی طے شدہ تنخواہ کا انتظام کرے اور ان کے خاندان کا پورا خیال رکھے اور ان کو تمام سہولیات فراہم کرے۔ ساتھ ہی کوٹلیا نے ہاتھی فوج، گھوڑا فوج، رتھ فوج اور پیدل فوج کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ سبھی فوج مملکت کی حفاظت کرتی ہیں۔

7۔مترا یا دوست (Mitra or Ally and Friends): مترا بھی مملکت کا ساتواں اور ایک اہم جز ہے۔ بادشاہ کو مملکت کو چلانے کے لیے دوست کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوٹلیا کا کہنا ہے کہ بادشاہ کو ہنگامی حالات میں اچھے دوست کی ضرورت پڑتی ہے بادشاہ کو خاندانی لوگوں کو دوست بنانا چاہیے جو بھروسہ مند ہوں، مستقل ہوں اور جو بادشاہ کے بہی خواہ ہوں۔اس کا کہنا ہے کہ بادشاہ کو ہمیشہ خاندانی اور بھروسہ مند لائق اور اعتماد خیر خواہوں کو دوست بنانا چاہیے۔ دوستوں کو ہمیشہ اپنے قابو میں رکھنا چاہیے تاکہ مخالفت کی امید نہ رہے۔ دوست بعد تنخواہ کے کام کرتا ہو اور کوش، زمین اور فوج کے ذریعے مدد بھی کرتا ہو۔ بادشاہ بغیر دوست کے اپنے دشمن کے آگے سر خم کردے گا۔ کوٹلیا نے تین قسم کے دوستوں کا ذکر کیا ہے۔

- رشتے دار دوست (Sahaja Mitra)
- دوسرے بادشاہ کو خوش کرے جو دوست بنایا جائے (Kumitra)
- رشتہ دار دشمن دوست پڑوسی بادشاہ کے سرحد پر رہتے ہیں کوٹلیا کا قول ہے کہ ہر بادشاہ کے تین طرح کے دشمن ہوتے ہیں۔

2.7 نظریہ مملکتی پالیسی یا کوٹلیا کا منڈل کا نظریہ (Theory of State Policy or Kautilya Mandal (Doctrine

بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں کوٹلیا نے مملکت کے باہمی تعلقات کی وضاحت کرنے کے لیے منڈل نظریہ کا سہارا لیا۔اس کے منڈل کا نظریہ کو دشمن مملکت، واضح دوست مملکت، غیر جانبدار دوست اور بیچ کے مملکت میں تقسیم کیا ہے۔قدیم زمانے سے مشہور اور اہم نظریہ ہے جو اہم بنیاد پر ٹکا ہوا ہے کہ کسی مملکت کا پڑوسی مملکت اس کا پہلا دشمن ہوتا ہے۔اور دشمن کا دشمن اپنا دوست ہوتا ہے۔ دراصل منڈل سے مراد مملکت کا دائرہ یا حلقہ ہوتا ہے۔ کوٹلیا نے اپنے اس اصول کی تعمیر و دیگر مملکتوں کو خیال میں رکھ کر کی ہے۔ یہ اصول ایک بادشاہ کو فتح کی امید رکھنے والا سمجھ کر اس کے چاروں طرف دیگر مملکت کے حلقہ کی تعمیر کرتا ہے۔اس اصول میں ہر مملکت کے ساتھ تعلقات کی ترتیب کیا چاہیے اور ایک دوسرے مملکت سے کس طرح رویہ کرنا چاہیے وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔منڈل اصول کا خلاصہ یا نچوڑ یہ ہے کہ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔ کوٹلیا نے منڈل میں مملکت کی کل تعداد بارہ بتائی ہے۔اس بارہ مملکتوں کی اپنی الگ پہچان اور جداگانہ حالات و کوائف اور مختلف بیرونی پالیسی ہوتی ہے۔ان کو واضح کر کے ہی منڈل اصول کو مکمل طرح سے سمجھا جا سکتا ہے۔سب سے پہلے منڈلی کی بارہ مملکتوں میں وجی گیشو مملکت کا نام آتا ہے۔اور یہ مل کر ایک مضبوط دائرہ کی تعمیر کرتے ہیں۔ کوٹلیا کے منڈل نظریہ کے مطابق منڈل کا مرکزی بادشاہ وجی گیشو یا فاتح بادشاہ ہوتا ہے۔جو پڑوسی کو دشمن سمجھتے ہیں اور ان سے فتح کر کے اپنے مملکت میں ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔ منڈلی نظیر کی بنیاد پر کوٹلیا نے مملکت کے دوست اور دشمن مملکت کا ذکر کیا ہے۔

منڈل نظریہ کے مطابق مملکت کی حالت مندرجہ ذیل ہوتی ہے۔

1. وجی گیشو (فاتح بادشاہ) مرکزی مملکت میں اضافہ چاہتا ہے۔
2. اری (واضح دشمن) وجی گیشو کے سامنے اور پہلا دشمن۔
3. مترا (واضح دوست) بادشاہ کے دشمن کا دشمن یعنی دوست۔
4. اری مترا (دشمن کا دوست) دوست کے سامنے اس کا دشمن لہٰذا وجی گیشو کا بھی دشمن۔
5. اری مترا کے سامنے والا مترا، مترا کہلاتا ہے۔ کیونکہ یہ دوست مملکت کا دوست ہوتا ہے اور اس لیے وجی گیشو مملکت کے ساتھ بھی اس کی دوستی ہوتی ہے۔
6. منڈل کا چھٹا مملکت اری مترا، مترا ہے۔

7. منڈل کا ساتواں مملکت پارشری گراہ کہلاتا ہے۔ جو وجی گیشو کے پیچھے کا مملکت ہے۔
8. منڈل کے آٹھویں مملکت کا نام آکرند ہے جو پارگ پارشری گراہ پیچھے رہتا ہے یہ وجی گیشو کا متر ہے لیکن پارشری گراہ کا دشمن ہوتا ہے۔
9. منڈل کا نواں آکرند کا پیچھے والا مملکت پارشری گراہ سار ہے۔ جو پارشری گراہ کا دوست ہوتا ہے۔ واضح طرح سے وہ آکرند کا دشمن ہوتا ہے۔
10. آکرند سار (چھپے دوست کا دوست) یا آکرند کا ردوست لہٰذا وجی گیشو کا دوست ہوگا۔
11. دھیم (درمیانی/ثالث) وجی گیشو اور اری دونوں سے زیادہ طاقتور۔ ضرورت پڑنے پر دونوں کی مدد کر سکتا ہے۔ یعنی سامنا بھی کر سکتا ہے۔
12. غیر جانبدار ایسی مضبوط مملکت جو وجی گیشو اور بیچ کی سرحدوں سے الگ رہتا ہے۔ وجی گیشو اور درمیانی کے مل جانے پر ان کی مدد کر سکتا ہے۔

2.8 شش گانہ خارجہ پالیسی (Six-Fold Foreign Policy)

منڈلا کے نظام میں، کوٹلیا نے پڑوسیوں کے ساتھ بات چیت کرنے کیلئے شش گانہ پالیسی کی حمایت کی۔ منڈل کی بنیاد پر کوٹلیا دوست اور دشمن کا اپنی 'ارتھ شاستر' میں واضح طور سے ذکر کیا ہے۔ قدیم مفکرین کا ماننا ہے کہ ایک مملکت سے دوسرے مملکت کے درمیان جنگوں کو ختم نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن منڈل اصولوں کے مطابق جنگ کے خطروں کو مملکت کی متوازن طاقت کے ذریعہ کم کیا جا سکتا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کو چار طریقوں اور شش گان طریقوں سے پر کیا جاتا ہے۔ کوٹلیا نے اپنی کتاب 'ارتھ شاستر' کے ساتویں باب میں مملکت کے شش گانہ خارجہ پالیسی کا ذکر کیا ہے۔ عام طور سے قبول کیا جاتا ہے کہ کوٹلیا ایک ایسا دانشور ہے جو خارجہ پالیسی کو مملکت کی حفاظت، قومی یکجہتی، اتحاد اور آزادی کے لیے لازمی مانتا ہے کہ کوٹلیا نے ششگانہ خارجہ پالیسی کی چھ خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ امن (سندھی)، جنگ (وگرہ)، غیر جانبداری حرکت (یان)، آسن (وقت کے انتظار میں خاموش بیٹھنا) نن شریہ (پناہ لینا)، روی روی بھاؤ (ایک کے ساتھ صلح تو دوسرے کے ساتھ جنگ)۔

(1) امن معاہدہ (Peace of Treaty) کوٹلیا کے مطابق امن معاہدہ کا مقصد اپنے دشمن مملکت کی طاقت کو ختم کرنا یا برباد کر دینا ہے۔ کوٹلیا نے ان خصوصیات اور وسیع طریقوں کا اپنی مشہور کتاب 'ارتھ شاستر' میں ذکر کیا ہے۔ ان کی نوعیت کا ذکر کرتے ہوئے ان کے استعمال کے طریقوں کو بتایا ہے۔

اس کے مطابق ان چھ خصوصیات میں امن معاہدہ (Peace of Treaty) کا مطلب سمجھوتا یا معاہدہ ہے، حالت دشمنی (State of Hostility) کا مطلب جنگ، بان (March Against Enemy) کا مطلب دشمنی پر یقینی حملہ کرنا آسن (Armed

(Ventrality کالفظی خاموش بیٹھ جانا، سنتریہ (An Alliance with Superior Power) کامطلب طاقتور بادشاہ کے ساتھ اتحاد اور روی روی بھاؤ یا ڈھکوسلا (Double Dealing) کامطلب معاہدہ اور جنگ کا ایک ساتھ استعمال کرنا۔ خارجی سیاست کے یہی چھ اہم خصوصیات ہیں۔

کوٹلیا کے مطابق معاہدہ کا مقصد اپنے دشمن کی طاقت کو تباہ کرنا اور وفد کو طاقت ور بنانا ہوتا ہے۔ لہٰذا جب دشمن پر کامیابی کی امید نہ ہو تو معاہدہ کر لینا چاہیے اس طرح کوٹلیا نے معاہدہ کے مختلف قسموں کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ وگرہ (جنگ) اس وقت ہی استعمال کرنا چاہیے۔ جب کہ دشمن کمزور اور خود کی اپنی جنگ کی تیاری مکمل ہو۔ مان (غیر جانبدار حرکت یا جنگ) یعنی حقیقی حملہ کا مطلب ہے کہ دشمن پر کسی وقت یا کسی ماحول میں حملہ کرنا ہے۔ جب دشمن آپ کا زیادہ نقصان نہ کر سکے اور آپ دشمن کا نقصان نہ کر سکیں تو وقت کے انتظار میں خاموش بیٹھے رہنا چاہیے اور اچھے وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ آن کہا گیا ہے (وقت کے انتظار میں خاموش بیٹھنا) سنشریہ یا پناہ لینا۔ دوسرے بادشاہ کے پاس پناہ لیتے وقت اسے طاقتور بادشاہ کے پاس پناہ لینا چاہیے جو کہ دشمن سے زیادہ طاقتور ہو۔

کوٹلیا کا کہنا ہے کہ اگر کوئی ایسا طاقتور نہ ملے تو دشمن بادشاہ کی ہی مدد لینی چاہیے۔ اسی طرح دوسری روی روی بھاؤ (Double Dealing) یعنی ایک بادشاہ کے ساتھ صلح تو دوسرے بادشاہ کے ساتھ جنگ کرنے سے ہے۔ کوٹلیا کا کہنا ہے کہ بادشاہ کو اپنے سے کمزور بادشاہ کے ساتھ جنگ اور طاقتور بادشاہ کے ساتھ صلح کرنا چاہیے۔ اگر پناہ یا صلح یا جنگ دونوں سے برابر کا فائدہ ہوتا ہے تو والدی بھاؤ پالیسی کا اپنانا چاہیے۔

2.9 سفارت کاری یا مصلحت اندیشی (Diplomacy)

کوٹلیا نے اپنے ارتھ شاستر امیں بعض اوقات بہت سی مصلحت بینی میں کام لینے کا ذکر کیا ہے۔ اس میں سام، دام، دنڈ، بھید، مایا، (دکھاوا یعنی دوسروں کو غلط خبر دینا وغیرہ) اندر جال (جادو) اور اپکیچھا (توہین) حقارت، بے عزت کرنا) کا حالات کے مطابق استعمال۔ بادشاہ کو ہر دو دو الگ کمروں میں سونے اور جاسوسی کے کاموں میں جاسوسوں کا تقرر کرنا چاہیے۔ کوٹلیا نے کہا ہے کہ ایک ملک سے دوسرے ملک کے تعلقات اور امن کے لیے جاسوسوں اور سفیروں کو بہت زیادہ اہمیت دی جانے چاہیئے۔ کوٹلیا نے سفیروں کو بادشاہ کا ترجمان کہا ہے کیوں کہ انھیں کے ذریعہ سے بادشاہ اپنی بات دوسرے بادشاہوں سے کہتا ہے اور ان کی بات کو سن پاتا ہے۔ کوٹلیا نے سفیروں کو ان کی صلاحیت اور لیاقت کی بنیاد پر تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ پشجادی سفیر اس سفیر کے پاس بادشاہ کے ذریعہ تفویض کی گئی طاقتیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا وہ بادشاہ کی طرف سے فیصلہ اور صلح کر سکتا ہے۔

2۔ پرستارتھ سفیر۔اس سفیر کے پاس فیصلہ کرنے کی طاقت نہیں ہوتی یعنی یہ سفیر بادشاہ کے حکم کے بغیر فیصلہ نہیں کر سکتا۔اوراسے ہر فیصلہ بادشاہ کے حکم سے کرنا ہوتا ہے۔

3۔ شاسن ہر سفیر۔اس کا کام یہ ہے کہ یہ ایک بادشاہ کا پیغام دوسرے بادشاہ تک پہنچائے۔

کوٹلیا سفیر سے یہ امید کرتا ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کے مفاد میں دشمن مملکت کے سبھی بھید، رسم الخط، اشارہ اور تہذیب کا علم ہو، جنگ کی حفاظت، سرحد کی حفاظت اور شکریوں سے دوستی کرے۔دونوں طرف کی فوجوں کو رکنے کا انتظام کرے۔جنگ کے لیے زمین تیار کرے اور موقع آنے پر اپنی فوج کے بھاگ سکنے کے قابل ٹھیک ٹھکانوں اور راستوں کا معائنہ کرے اور دشمن کے معلوم کرنے پر بھی اپنے مملکت کی کاؤنسل کا تعارف نہ کرے۔

حکومت اور انتظامیہ میں خفیہ انتظام کو زیادہ اہم مانتے ہوئے کوٹلیا نے مستقل اور گھومنے والی خفیہ دو قسم کے خفیہ انتظام بتایا ہے۔ کوٹلیا کی ارتھ شاستر امیں پانچ قسم کی مستقل تنظیم کا ذکر مندرجہ ذیل ہے۔

1۔ کارپاٹک۔خفیہ راز جاننے کے لیے طالب علم پوشاک میں رہنے والا خفیہ۔طالب علم کا بھیس بدل کر خفیہ معلومات حاصل کرنے والا جاسوس۔

2۔ ادارستھ۔ذہن مقدس اور تفیاسی پوشاک میں رہنے والا خفیہ۔متقیوں اور صوفی سنتوں کے بھیس میں رہنے والا جاسوس۔

3۔ گرہتک۔ذہن، مقدس دل اور غریب کسانوں کے پوشاک میں رہنے والا خفیہ۔نیک دل غریب کسانوں کے بھیس میں رہنے والا جاسوس۔

4۔ ویدیک۔پرہیز گار تاجروں کے روپ میں رہنے والا جاسوس۔

5۔ تاپس، زندگی گزارنے کے لیے سر مڑائے رہنے والا خفیہ جاسوس۔کوٹلیا نے گھومنے والا خفیہ مندرجہ ذیل بتاتے ہیں۔

گشتی جاسوسوں کی مندرجہ ذیل اقسام بتائی ہیں۔

1۔ ستری۔اداکار یا نجومی کے شکل میں رہنے والا جاسوس۔

2۔ لیکچھڑ۔سپاہی پاشورویر کی شکل میں رہنے والا جاسوس۔

3۔ رسد۔ظالم، بیمار، نرموہی اور زہر دینے والا خفیہ جاسوس۔

4۔ پرہوراجیکا۔ سنیاسی کے شکل میں رہنے والا خفیہ جاسوس۔

اس کے علاوہ ایسے خفیہ لوگ جو اپنے ملک سے تنخواہ پاتے ہیں اور اسی ملک کے نوکر ہوتے ہوئے بھی دوسرے ملک میں جاکر بادشاہ کے غلام بن کر جاسوسی کرتے ہیں۔ وشن کنیا کا استعمال بادشاہ کو زہر دے کر ختم کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔

کوٹلیا کے 'ارتھ شاستر ا' سے معلومات حاصل ہوتی ہے کہ اس وقت کے دور میں خفیہ جاسوسوں کا استعمال اپنی عوام اور دشمن مملکت کی حیثیت کو معلوم کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ یہ دشمن مملکت کو وہاں کی عوام کو ان کے بادشاہ کے مخالف کر دیتی تھی اور عوام بادشاہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ وہاں پھوٹ ڈال کر اور مختلف قسم کے بحران پیدا کر کے اس مملکت کو کمزور بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ اپنی مملکت میں بھی ریاست مخالف سرمیوں کا پتہ لگانے کے لیے یہ خفیہ ٹیم سرگرم رہتی تھی۔ سرکاری ملازم اور عوام پر ان کا بہت زیادہ خوف طاری رہتا تھا۔ اور ہر ملزم ان کی موجودگی کے خدشہ سے ہمیشہ کانپتا رہتا تھا۔ اعلیٰ عہدہ دار بھی ان کی نظر سے اوجھل نہیں ہوتے تھے۔ خفیہ شکاری، اداکار، پاگل، پاکھنڈی کے پوشاک میں اس طرح گھومتے تھے کہ کوئی شک نہیں کر سکے۔

کوٹلیا نے سفیروں کے لیے مندرجہ ذیل اہلیت کا ذکر کیا ہے۔

1۔ سفیر حقیقت اور صحیح واقعہ کا ذکر کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ کسی واقعہ کی حقیقت تک پہنچنے اور اسکو صحیح طریقہ سے بادشاہ سے بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

2۔ دشمن بادشاہ کے ذریعہ دی گئی عزت پر وہ فخر نہ کرے۔

3۔ دشمنوں کے درمیان رہتے ہوئے خود کو طاقتور نہ سمجھے۔

4۔ وہ دشمن کی معائدانہ باتوں کو زنگیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

5۔ عورتوں اور شراب سے ہمیشہ پرہیز کرے۔

6۔ اپنے گھر پر ایک طرف اکیلے رات میں آرام کرے۔ یہ ایک اچھے سفیر کی خصوصیت کوٹلیا نے بتائی ہے۔

2.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ نے:

- کوٹلیا کی حیات و خدمات کا مطالعہ کیا۔
- قدیم ہندوستانی نظم و نسق عامہ سے متعلق کوٹلیا کے اصولوں کا مطالعہ کیا۔

- کوٹلیا کی انتظامی تجاویز کے مختلف عناصر کو سمجھا۔
- کوٹلیا کے اصولوں کا تنقیدی جائزہ لیا۔

2.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

ویراجیہ (Vairajya) : حکومت کی ایسی قسم ہے جس میں حکومت بیرونی حکمران کے ذریعے کی جاتی ہے۔

داویہ راجیہ(Davairajya):اس طرح کی حکومت میں سلطنت کے ہر فرد کے ذریعے حکومت کی جاتی ہے۔

دھرما (Dharma): کوٹلیا کے مطابق دھرما سے مراد اپنی ذمے داری کو بخوبی انجام دینے سے ہے۔

ڈنڈنیتی(Dandaneeti): علم سیاسیات۔

2.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

2.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ چندر گپت موریہ کا مشیر کون تھا؟

(a)منو (b)کوٹلیا (c)یہ دونوں (d)ان میں سے کوئی نہیں

2۔ 'ارتھ شاستر ا' کتاب کا مصنف کون ہے؟

(a)چندر گپت (b)کوٹلیا (c)منو (d)ان میں سے کوئی نہیں

3۔ کوٹلیا نے کس طرح کی مملکت کا ذکر کیا ہے؟

(a)پولس مملکت (b)فلاحی مملکت (c)اشتراکی مملکت (d)سرمایہ دارانہ مملکت

4۔ کوٹلیا کی دھرم استھلی عدلیہ کس طرح کی عدالت تھی؟

(a)دیوانی عدلیہ (b)فوج داری عدلیہ (c)انتظامی ادلیہ (d)ان میں سے کوئی نہیں۔

5۔ کوٹلیا کے مطابق مملکت کا پہلا جز کون ہوتا ہے؟

(a)سوامی (b)آمتیا (c)جنپد (d)ڈنڈا

6۔ کوٹلیا کی حکومت میں پروہت کون ہوتا تھا؟

(a)مشیر (b)مذہبی رہنما (c)سیناپتی (d)شہزادہ

7۔ کوٹلیا نے صنعت کے سربراہ کو کس نام سے پکارا؟

(a)کارمنتیکا (b)انت پال (c)آٹوک (d)مہاپور

8۔ یہ کس کا قول ہے کہ "مملکت انسان کی زندگی کی فلاح کے لیے ایک ضروری اور فلاحی ادارہ ہے"؟

(a)منو (b)افلاطون (c)ارسطو (d)کوٹلیا

9۔ کوٹلیا کے مطابق قانون کے معتبر ذرائع نہیں ہیں۔

(a)مذہبی کتابیں (b)اخلاقی عادات (c)انصاف (d)اخبارات

10۔ ایسا قلعہ جو چاروں سمت پانی سے گھرا ہوا ہو، اسے کیا کہتے ہیں؟

(a)آڈک درگ (b)پروت درگ (c)دھانون درگ (d)ون درگ

2.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. کوٹلیا کی حیات و خدمات کی وضاحت کیجیے۔
2. کوٹلیا کے نظریہ مملکت پر روشنی ڈالیے۔
3. آمتیا پر مختصر نوٹ لکھیے۔
4. کوٹلیا کے خفیہ اداروں پر بحث کیجیے۔
5. کوٹلیا کے بادشاہی نظام کی ذمے داریاں بیان کیجیے۔

2.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. کوٹلیا کے بادشاہی نظام کی وضاحت کیجیے۔
2. کوٹلیا کے امن و امان اور نظم و نسق پر تفصیلی بحث کیجیے۔
3. کوٹلیا کے سپتانگ نظریہ کی وضاحت کیجیے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

1۔	(b)	2۔	(b)	3۔	(b)	4۔	(b)	5۔	(a)
6۔	(b)	7۔	(a)	8۔	(d)	9۔	(d)	10۔	(a)

اکائی۔3 باسوانّا

(Basavanna)

اکائی کے اجزاء

3.1 تمہید

3.2 مقاصد

3.3 باسواانا کی حیات اور خدمات

3.3.1 ابتدائی زندگی اور تعلیم

3.3.2 وزارتی کردار اور خدمات

3.3.3 سماجی اصلاح کار اور مساوات کے وکیل

3.3.4 ادبی حصولیابیاں

3.3.5 میراث اور اثر

3.4 باسوانا کے سیاسی افکار

3.4.1 کایکا (کام ہی عبادت ہے)

3.4.2 باسوانا (دولت کا اشتراک)

3.4.3 سماجی مساوات

3.4.4 احتجاج اور اصلاح کے معنی

3.4.5 انفرادی وقار اور آزادی

3.4.6 برادری مرکوز نظریہ (انوبھاوامنٹپا)

3.4.7 خواتین کی بااختیاری

3.5 باسوا کے سیاسی افکار کے اہم اقدار

3.5.1 مساوات اور سماجی انصاف

3.5.2 جمہوری اقدار اور شراکتی حکمرانی

3.5.3 معاشی انصاف اور مزدور کا وقار
3.5.6 صنفی مساوات اور خواتین کی بااختیاری
3.5.7 اخلاقی قیادت اور حکمرانی
3.5.8 عدم تشدد اور پرامن اصلاحات
3.5.9 انفرادی آزادی اور وقار
3.5.10 جدید موزونیت
3.6 تدریسی مقاصد
3.7 کلیدی الفاظ
3.8 نمونہ امتحانی سوالات
3.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
3.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
3.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

3.0 تمہید (Introduction)

باسوااناؒ جو بسویشور کے نام سے معروف ہے۔ 12 ویں صدی کا ایک قابل ذکر فلسفی، شاعر اور سماجی اصلاح کار جس کا ظہور جنوبی ہندوستان کی ریاست کرناٹک سے ہوا۔ باسوااناؒ ایک کثیر جہتی شخصیت کا حامل شخص تھا۔ وہ ایک مذہبی مفکر، اخلاقی فلسفی، سماجی اور سیاسی اصلاحات کرنے والا تھا۔ باسوااناکو بنیادی طور پر لنگایت فرقے کے بانی کے طور پر احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، لنگایت ایک روحانی تحریک تھی جس کی جڑیں ''اشٹلنگا'' کی شکل میں مساوات اور عقیدت کے اصولوں پر شیو بھگوان کے ساتھ مرکوز تھیں۔

باسوا کی پیدائش ذات پات کی ٹھوس درجہ بندی سے منسلک سماج میں ہوئی۔ باسوانے شمولیت اور مساوات پر مبنی سماجی نظام کا تصور پیش کیا۔ انہوں نے مذہبی رسومات پر برہمنوں کے تسلط اور نچلی ذاتوں اور خواتین کو پسماندہ کرنے کی مذمت کی۔ ان کا وژن ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا تھا جہاں ذات، جنس یا پیشے سے قطع نظر ہر فرد کے ساتھ وقار کے ساتھ سلوک روا رکھا جاتا تھا۔

باسوااناؒ کے تصورات میں ''کایکا'' اور ''دسوہا'' شامل ہے۔ کایکا سے مراد ''کام ہی عبادت'' ہے جو آج کے اس دور میں بھی موزوں حیثیت کا حامل ہے۔ یہ تصور مزدوروں کے وقار اور ان کے روحانی ترقی کو دنیا کے کام میں ذمہ داری کے احساس کو جوڑتا ہے۔ اس کا دوسرا تصور ''دسوہا''

دولت کو کم مراعات یافتہ افراد کے ساتھ بانٹنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ باسوا نے اپنی تعلیمات اور عمل کے ذریعہ زائد منصفانہ اور مساوی سماج کی بنیاد رکھی، جو نہ صرف مذہبی پیروکاروں بلکہ سماجی اور سیاسی فکر کے دانشوروں کو بھی جوڑتا ہے۔

باسوا کا یہ یقین تھا کہ دیوتا کے ساتھ تعامل کے لئے برہمن یا پجاریوں کی ثالثی کو مسترد کرتے ہوئے فرد کو بااختیار بنانے روحانی طریقوں کو غیر مرکوز کرنا تھا۔ اس کی تعلیمات کا اظہار ''واچنوں'' (کنڑ میں بامعنی، مختصر شاعرانہ تحریروں) کے ذریعے کیا گیا جس نے پیچیدہ روحانی خیالات کو عام لوگوں کے لیے قابل رسائی تصورات میں آسان بنا دیا۔ مساوات، اجتماعی ذمہ داری، اور عقیدت کے لیے عقل پر مبنی نقطہ نظر اور خیالات باسوا کو عہد وسطیٰ کے ہندوستان کے سب سے ترقی پسند مفکروں میں سے ایک بناتے ہیں۔

سیاسیات کے نقطہ نظر سے، باسوا انّا کا تعاون مذہب سے آگے بڑھ کر سماج کی حکمرانی پر بصیرت انگیز نقطہ نظر کو شامل کرنے، سماجی مساوات، آزادی اور صنفی انصاف کے نظریات کو فروغ دینے تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے نظریات جامع ترقی کے لیے جمہوری اقدار اور طریقہ کار کے بارے میں قیمتی بصیرت فراہم کرتے ہیں۔

3.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلبا اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہوں گے کہ

- باسوا انا کی حیات اور کارناموں پر روشنی ڈالیں گے۔
- باسوا انّا کے اہم اصلاحات اور سماجی ساخت پر اس کے اثرات پر تبادلہ خیال کریں گے۔
- اس کے اہم سیاسی اور فلسفیانہ تصورات کا تجزیہ کریں گے۔
- باسوا انّا کے خیالات کو سیاسیات کے وسیع تر موضوعات سے مربوط کریں یعنی خاص طور پر حکمرانی، مساوات اور سماجی انصاف۔
- جدید دور میں باسوا انّا کی فکر کی موزونیت کا تنقیدی جائزہ لیں گے۔

3.2 باسوا انّا کی حیات اور کارنامے (Life and Contributions of Basavanna)

باسوا انّا کی زندگی خود ان کے مساوات اور اجتماعی فلاح و بہبود کے اصولوں کا ثبوت ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے عہدے اور اثر و رسوخ کو ایک منصفانہ اور مربوط سماج کی وکالت کے لیے استعمال کیا۔ ان کے سفر کو تین اہم مراحل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ابتدائی زندگی، وزارتی خدمت، اور بطور مصلح ان کا کردار۔

3.2.1 ابتدائی زندگی اور تعلیم

باسوا انّا 1105 عیسوی کے آس پاس باگیوادی (جدید باگل کوٹ ضلع، کرناٹک) میں ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ کم عمر میں بھی، انہوں نے اس وقت ہندوستانی سماج میں مروجہ سخت قدامت پسندی کو مسترد کرتے ہوئے ذات پات کے امتیاز اور رسم و رواج کے تئیں

تنقیدی رویہ کا اظہار کیا۔ کہا جاتا ہے کہ باسوا نے تعلیم اور روحانی رہنمائی کے حصول میں اپنا آبائی شہر خیر باد کیا۔ وہ بھگوان شیو کی پوجا کے ایک بڑے مرکز کڈالا سنگما چلے گئے، جہاں انہوں نے خود کو روحانی اور فلسفیانہ فکر میں خود کو وقف کر دیا۔

اس عرصے کے دوران، انہوں نے مہذب اور اخلاقی ذمہ داری سے ممتاز ایک عالمگیر اور جامع سماج کا تصور پیش کیا۔ ان کی گہری روحانی تفہیم اور سماجی عدم مساوات پر تنقید نے انہیں عمل پر مبنی اصلاحات کی طرف راغب کیا۔

3.2.2 وزارتی رول اور خدمات

باسوانّا کے راستے نے اس وقت تبدیلی کا رخ اختیار کیا جب وہ شہر کلیانا (موجودہ کرناٹک میں بسوا کلیان) میں کالاچوری حکمران بادشاہ بجّالا کے دربار کا حصہ بن گئے۔ باسوانّا کو مہامنڈلیشور (وزیر اعلیٰ) کے طور پر مقرر کیا گیا اور اس عہدے نے انہیں سلطنت کی انتظامیہ پر نمایاں اثر و رسوخ فراہم کیا۔ دوسرے وزراء کے برعکس، باسوانّا نے اقتدار کو مستحکم کرنے کے بجائے ترقی پسند سماجی پالیسیوں کی حمایت کرنے کے لیے اپنے اختیار کا استعمال کیا۔

ان کی وزارتی معیاد کے دوران حاصل کامیابیوں میں شامل ہیں:

1. مساویانہ اصولوں کا نفاذ: باسوانّا نے انتظامی تقرریوں اور حکمرانی میں مساوات کو فروغ دے کر ذات پات کی درجہ بندی کو چیلنج کیا۔ انہوں نے اس بات کو یقینی بنایا کہ ذات یا جنس سے قطع نظر ہو کر ہنر مند افراد کو ضروری ذمہ داریاں دی جائیں۔

'2. کایکا۔ دسوہا طریقوں کا آغاز: انہوں نے محنت کے وقار (کایکا) اور دولت کی دوبارہ تقسیم (دسوہا) کے بارے میں اپنے خیالات کو ادارہ جاتی بنایا تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ کمیونٹی انفرادی کوششوں سے اجتماعی طور پر مستفید ہوں۔

3. انوبھاوامنٹپا: خاص طور پر، باسوانّا نے انوبھاوامنٹپا کا آغاز کیا، جو ایک اہم سماجی-مذہبی ادارہ یا اسمبلی ہے جہاں تمام طبقات کے لوگ فلسفہ، حکمرانی اور فرقہ وارانہ زندگی پر تبادلہ خیال کے لئے حصہ لے سکتے ہیں۔ یہ بات چیت، فیصلہ سازی اور اصلاحات کا ایک فورم بن گیا۔ جو ان کی کامیابیوں کا ایک اہم حصہ تھا۔

3.2.3 سماجی اصلاح کار اور مساوات کا وکیل

ذات پات کے نظام کی پرجوش انداز میں باسوانّا تنقید کرتے تھے، ان کا ماننا تھا کہ ذات پات کے نظام کے باعث غیر انسانی طرز اور سماج میں انسان کا اخراج عمل میں آیا۔ ان کی تحریروں اور تعلیمات ان کے اس عقیدے کی عکاسی کرتی ہیں کہ کوئی بھی انسان پیدائشی لحاظ سے دوسرے پر برتر نہیں ہوتا۔ انہوں نے یہ واضح کیا کہ کسی انسان کی پیدائش نہیں بلکہ اس کی خوبیاں ہی ہے جو قدر کا تعین کرتی ہیں۔ اس فلسفے نے زندگی کے تمام شعبوں کے پیروکاروں، کاریگروں، مزدوروں اور حتیٰ کہ پسماندہ دلتوں کی بھی توجہ حاصل کی جس کے باعث باسوانّا کی تحریک کو تبدیلی حاصل ہوئی۔ سماجی اصلاحات ہیں باسوا کے تعاون درج ذیل ہیں :

ذات پات کا خاتمہ: باسوانّا نے مذہبی اداروں میں ذات پات پر مبنی رکاوٹوں کو ختم کیا، تمام سماجی طبقے کے لوگوں کو عبادت میں حصہ لینے کی اجازت حاصل ہوئی۔

خواتین کو بااختیار بنانا: باسواانّاکی تحریک نے پدرانہ پابندیوں کو توڑتے ہوئے روحانی اور سماجی کرداروں میں خواتین کی شرکت کی بھی حوصلہ افزائی کی۔اکامہادیوی جیسی خواتین، جوایک ممتاز شاعر اور فلسفی تھیں،ان کی تحریک کی اہم شخصیات بنیں۔

تنازعات کا حل: ان کی تحریک نے تنازعات کو حل کرنے، قانون کے سامنے مساوات کے اصولوں کی بازگشت اور اجتماعی فیصلہ سازی میں کمیونٹی کی ملکیت کے احساس کو فروغ دیا۔

3.2.4 ادبی کامیابیاں

باسواانّاکے ''واچنا''ہندوستانی روحانیت اور ادب میں ان کی سب سے پائیدار شراکت کے طور پر کام کرتے ہیں۔ کنڑ میں لکھی گئی یہ مختصر واچنائیں گہرے فلسفیانہ اور اخلاقی خیالات کو سادہ اور قابل رسائی انداز میں ظاہر کرتی ہیں۔ ان کے واچنائیں عقیدت، ذمہ داری اور اخلاقی زندگی کے نظریات کو فروغ دیتے ہوئے رسومات، ذات پات اور لالچ کی ان کی سخت مخالفت کی عکاسی کرتے ہیں۔ باسواانّاکے واچنائوں میں کچھ اہم موضوعات اس طرح ہیں:

1. مذہب قابو پانے کے بجائے بااختیار بنانے کا ایک ذریعہ ہے۔
2. ادارہ جاتی طریقوں پر ذاتی اخلاقی ذمہ داری کی فوقیت۔
3. خدا کے ساتھ راست، ذاتی تعلق جو پجاریوں یعنی ثالثوں سے بالاتر ہے۔

3.2.5 میراث اور اثر

باسواانّاکے خیالات اور تحریک نے لنگایت فرقے کی بنیاد رکھی، جو آج تک سماجی اصلاحات اور روحانی مساوات پر مبنی ایک مذہبی روایت کے طور پر موجود ہے۔ان کی کوششوں نے موجودہ درجہ بندی کو چیلنج کیا اور مساوات، رواداری اور سماجی انصاف کے لیے ایک وسیع بنیاد کو تحریک دی۔ ان کے مساوات کے اصول جدید جمہوری نظریات سے مطابقت رکھتے ہیں، جبکہ محنت، دولت کی دوبارہ تقسیم اور صنفی انصاف پر ان کا زور عصری سیاسی اور معاشی فکر کے مطابق ہے۔ایک جامع اور اخلاقی سماج کی تعمیر کے لیے باسوا کی بصیرت اور عزم انہیں سیاسیات اور اس سے آگے تعلیمی مطالعہ کے لائق ایک اہم شخصیت بناتا ہے۔

3.3 باسواانّاکی سیاسی فکر(Political Philosophy of Basavanna)

باسواانّاکی سیاسی فکر کو ان کے اخلاقی اور سماجی فلسفے کی توسیع کے طور پر سمجھا جاتا ہے، جس کی جڑیں مساوات، وقار اور سماجی فلاح و بہبود کے اصولوں پر مبنی ہیں۔ان کے خیالات روحانیت اور حکمرانی کے ہموار امتزاج کی عکاسی کرتے ہیں، جس میں شخصی اخلاق، سماجی اصلاحات ،اور اجتماعی ذمہ داری کو ایک منصفانہ سماج کے لیے ضروری شرائط کے طور پر زور دیا گیا ہے۔ اگرچہ ان کی خدمات اکثر مذہب سے وابستہ ہوتی ہیں، لیکن ان کی تعلیمات اور طرز عمل خاص طور پر ذات پات، مردانہ تسلط اور معاشی استحصال جیسے جابرانہ ڈھانچوں کو چیلنج کرنے میں اہم سیاسی مضمرات رکھتے ہیں۔

باسواانّاکے سیاسی افکار حکمرانی، مزدوروں کا وقار، دولت کی دوبارہ تقسیم، انفرادی حقوق اور نچلی سطح پر کمیونٹی کی شمولیت سے متعلق ہیں۔ درج ذیل میں باسوا کے سیاسی تصورات یہ ہیں:

3.3.1 کایکا (کام ہی عبادت ہے)

کایکا (Kayaka) کا تصور کام ہی عبادت ہے باسواانّاکی تعلیمات کا سنگ بنیاد ہے۔ یہ ذات پات کے نظام میں موجود پیشوں کی درجہ بندی کی تقسیم کو مسترد کرتے ہوئے محنت کے وقار کو بے پناہ اہمیت دیتا ہے۔ کسی بھی کام کو کمتر یا برتر کے طور پر دیکھنے کے بجائے، باسوانے اس بات کی وکالت کی کہ تمام افراد کو اپنے پیشے کو مخلصانہ طور پر آگے بڑھانا چاہیے اور اسے مقدس عقیدت کے طور پر سمجھنا چاہیے۔

سیاسی مضمرات:

- کایکا ذات پات پر مبنی ملازمتوں کی علیحدگی کو چیلنج کرتا ہے اور معاشی اور سماجی زندگی میں مساوات کو فروغ دیتا ہے۔ یہ مزدوروں کے وقار کو اجاگر کرتا ہے، مزدوروں کے حقوق اور پیشے میں انتخاب کی آزادی کی بنیاد رکھتا ہے۔
- یہ خود انحصاری، جوابدہ اقدار، جدید جمہوری حکمرانی اور پائیدار اقتصادی پالیسیوں کے مرکزی نظریات سے مطابقت رکھتا ہے۔

3.3.2 دسوہا (دولت کا اشتراک)

دسوہا سے مراد سماجی فلاح و بہبود کے لیے رضاکارانہ طور پر اپنی دولت اور آمدنی کا اشتراک یا بانٹنے کا تصور ہے۔ باسوا کا ماننا تھا کہ سماج اس وقت ہی ترقی کر سکتا ہے جب افراد وسائل کو ذخیرہ کرنے کے بجائے برادری کے ساتھ بے لوث طور پر بانٹتے ہیں۔ باسوا کے مطابق، دولت کو انفرادی لالچ کے بجائے سماجی فلاح و بہبود کی خدمت کرنی چاہیے۔

سیاسی مضمرات:

- دسوہا آمدنی کی دوبارہ تقسیم اور فلاحی پالیسیوں کے اصولوں کی عکاسی کرتا ہے جو جدید حکمرانی کے لیے مرکزی حیثیت رکھتے ہیں، جہاں وسائل تک مساوی رسائی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو یقینی بناتی ہے اور عدم مساوات کو کم کرتی ہے۔
- یہ ترقی پسند ٹیکس کے خیال کی عکاسی کرتا ہے، جہاں امیر اپنے وسائل کا ایک حصہ کم مراعات یافتہ افراد کی مدد کے لیے دیتے ہیں۔
- دسوہا فرقہ وارانہ تعاون اور یکجہتی کی سماجی و سیاسی اخلاقیات کو بھی فروغ دیتا ہے، جو قوم کی تعمیر کے لیے اہم ہے۔

3.3.3 سماجی مساوات

باسواانّاکی سیاسی فکر نے ذات پات کے نظام کی شدید مخالفت کی، جس نے پیدائش کی بنیاد پر عدم مساوات کو جنم دیا۔ انہوں نے استدلال کیا کہ انسان اپنی ذات، جنس یا سماجی حیثیت سے قطع نظر برابر اور مساوی ہیں، اور نسل پر مبنی استحقاق کے بجائے قابلیت پر مبنی احترام کو فروغ دیتے ہیں۔

سیاسی مضمرات:

- ذات پات کی مساوات کا باسوا کا فلسفہ ''قانون کے سامنے مساوات'' کے جمہوری اصول سے ہم آہنگ ہے، جو ہندوستان سمیت دنیا بھر کے جدید دساتر کی بنیاد بھی ہے۔
- انہوں نے ایک ایسے سماج کا تصور پیش کیا جہاں مواقع وراثت کی حیثیت پر نہیں بلکہ قابلیت اور اخلاقی طرز عمل پر مبنی ہوں۔ یہ عصری مثبت عمل پروگراموں کے متوازی ہے جس کا مقصد ذات پات اور طبقے کی عدم مساوات کو ختم کرنا ہے۔

3.3.4 احتجاج اور اصلاح کے ذرائع

سماج میں تبدیلی لانے کے لئے باسوا نے پر تشدد ذرائع کو مسترد کرتے ہوئے پرامن طریقے اپنائے جیسے نئے ادارے بنانا (مثلاً انوبھاوامنٹپا)، تعمیری مباحثوں کو فروغ دینا اور سماجی مسائل کو اجاگر کرنے کے لیے واچنا لکھنا۔ اصلاحات کے لیے ان کے نظریہ نے تعلیم اور ہم کلامی پر زور دیا۔

سیاسی مضمرات:

- ان کے طریقے غیر تشدد مزاحمت اور مشاورتی جمہوریت کے نظریات کو متاثر کرتے ہیں۔ مہاتما گاندھی کے عدم تشدد (اہنسا) کے تصور کی طرح باسوا انّا قائل کرنے اور اخلاقی اختیار کے ذریعہ تبدیلی کی شروعات کرنے میں یقین رکھتے تھے۔
- انوبھاوامنٹپا نے شہری شرکت کے لیے جدید فورمز کی توقع کی، جہاں گفت وشنید اور اجتماعی فیصلہ سازی اصلاحات اور حکمرانی کے لیے اوزار ہیں۔

3.3.5 انفرادی وقار اور آزادی

باسوا انّا نے ذات پات، پیشے یا صنف سے قطع نظر ہر فرد کے موروثی وقار اور حقوق کو تسلیم کیا۔ انہوں نے افراد اور خدا کے درمیان ثالثوں (جیسے پجاریوں) کی ضرورت کو مسترد کرتے ہوئے روحانیت کے لیے ایک مساویانہ نقطہ نظر کی وکالت کی جو راست وسیع تر سماجی مسائل کو حل کرتا ہے۔

سیاسی مضمرات:

- انفرادی وقار، جیسا کہ بساونا نے بیان کیا ہے، شخصی آزادی، مساوات اور احترام پر زور دیتے ہوئے، لبرل سیاسی روایت کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔
- ان کے خیالات انسانی حقوق کے جدید فریم ورک سے مطابقت رکھتے ہیں جو انفرادی خود مختاری کے لیے ادارہ جاتی رکاوٹوں کو توڑنے پر مرکوز ہیں۔ انہوں نے روحانی اور سماجی دونوں شعبوں میں آزادی کی حمایت کی، اسے حکمرانی میں مساوات سے جوڑا۔

3.3.6 برادری پر مرکوز نقطہ نظر (انوبھاوامنٹپا)

انوبھاوامنٹپا کا قیام یا آغاز' باسوا کے سب سے زیادہ اثر انگیز اقدامات میں سے ایک تھا۔ انہوں نے جامع مکالمے اور بحث کے لیے ایک پلیٹ فارم کے طور پر کام کیا، جو تمام سماجی طبقے کے لوگوں کے لیے کھلا ہوا تھا۔ اس ادارے کی جانب سے اپنائے گئے طریقے شراکت دارانہ فیصلہ سازی اور اجتماعی مسائل کے حل پر ان کی توجہ کو اجاگر کرنا تھا۔

سیاسی مضمرات:

- انوبھاوامنٹپا کو نچلی سطح پر جمہوریت یا شراکت دار حکمرانی کی ابتدائی مثال کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ انہوں نے تنوع میں اتحاد کو فروغ دینے اور پسماندہ برادریوں کی آوازوں کو سننے کی راہ فراہم کی۔
- یہ برادریوں کی ترقی اور حکمرانی میں وسیع تر داخلات کی اہمیت پر زور دیتا ہے، جس میں جدید شہری اداروں اور عوامی مشاورتی فریم ورک سے ملتے جلتے اصولوں کو ظاہر کرتے ہیں۔

3.3.7 خواتین کو بااختیار بنانا

باسوا' عہد وسطیٰ کے ہندوستان کے پہلے مفکروں میں سے ایک تھے جنہوں نے سماجی، مذہبی اور فکری شعبوں میں خواتین کو فعال طور پر شامل کیا۔ ان کا ماننا تھا کہ سماجی ترقی میں خواتین یکساں طور پر اپنی شراکت کی صلاحیت رکھتی ہیں، اور اس سے انہیں گنگایت تحریک میں نمایاں موجودگی حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اکا مہادیوی جیسی خواتین شاعروں، جو ان کے گروپ کا حصہ تھیں، نے پدرانہ اصولوں کو چیلنج کیا اور ان کی گہری فلسفیانہ شراکت کے لیے شہرت حاصل کی۔

سیاسی مضمرات:

- صنفی مساوات سے متعلق ان کی بصیرت پدرانہ ماتحتی کو چیلنج کرتی ہے اور خواتین کے حقوق اور عوامی زندگی میں شرکت کی وکالت کرنے والی تحریکوں سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔
- انہوں نے خواتین کو ثانوی کرداروں میں منتقل کرنے کو مسترد کر دیا، اس کے بجائے فیصلہ سازی کے عمل، تعلیم اور قائدانہ کرداروں میں ان کی شمولیت کو فروغ دیا- یہ تصور جدید جمہوریتوں میں صنفی انصاف کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔

3.5 باسوااناّ کی سیاسی فکر کے بنیادی اقدار

باسوااناّ کا سیاسی فلسفہ کئی بنیادی اقدار پر مبنی تھا جس نے ان کی سماجی اصلاحاتی تحریک کی بنیاد رکھی۔ یہ بنیادی اقدار جدید سیاسی فکر اور جمہوری اصولوں کے ساتھ منسلک رہتی ہیں۔ یہاں ان ضروری اقدار کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے:

3.5.1 مساوات اور سماجی انصاف

باسوااناّ کا مساوات اور سماجی انصاف کا مقصد ان کے وقت کے لیے انقلابی تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ تمام انسان اپنی ذات، جنس یا معاشی پس منظر سے قطع نظر فطری طور پر برابر اور مساوی ہیں۔ انہوں نے ذات پات پر مبنی درجہ بندی کو مسترد کر دیا جس نے سماج کو سخت سماجی طبقات

میں تقسیم کیا، جہاں لوگوں کا فیصلہ ان کے اعمال یا کردار کی بجائے پیدائش کی بنیاد پر کیا جاتا تھا۔ یہ ان کے دور کی برہمن قدامت پسندی کے لیے ایک راست چیلنج تھا، جس نے عدم مساوات کو برقرار رکھا۔

کلیدی خیالات:(Keypoints)

☆ عالمی اخوت: باسوااتّا نے اس بات پر زور دیا کہ تمام انسان برابر ہیں اور ایک ہی عالمی خاندان کا حصہ ہیں۔ اس اصول نے امتیازی سلوک کو ختم کرنے اور شمولیت کو فروغ دینے کی کوشش کی۔

☆ ذات پات مخالف موقف: انہوں نے ذات پات کے نظام کی مخالفت کی، جس نے سماج کو تقسیم کیا اور نچلی ذاتوں اور پسماندہ گروہوں کو مواقع سے محروم رکھا۔

☆ قابلیت پر مبنی سماج: باسوا نے ایک ایسے نظام کی وکالت کی جہاں احترام اور مواقع انفرادی اخلاق، اخلاقی طرز عمل اور سماج میں شراکت پر مبنی ہوں۔

عمل آوری:

بسوانا نے فعال طور پر ان طریقوں کو فروغ دیا جو مساوات کے لیے ان کے عزم کی عکاسی کرتے ہیں:

☆ ذات پات کی رکاوٹوں کو ختم کرنے کے لئے بین ذاتی شادیوں کی حوصلہ افزائی کرنا۔

☆ کھانے کے عام طریقوں کو منظم کرنا (جسے سہابنکتی بھوجنا کہا جاتا ہے) جہاں تمام ذاتوں کے لوگ ایک ساتھ مساوی طور پر کھاتے ہیں۔

☆ جامع روحانی اجتماعات کا قیام، ہر ایک کو ذات پات سے قطع نظر عبادت کرنے کی اجازت دینا۔

☆ خواتین اور نچلی ذاتوں سمیت سب کے لیے تعلیم اور روحانی علم تک مساوی رسائی کی حمایت کرنا۔

3.5.2 جمہوری اقدار اور شراکت دارانہ حکمرانی

باسوا کا حکمرانی کا خیال انتہائی جمہوری نوعیت کا تھا۔ وہ اجتماعی فیصلہ سازی اور کھلے مکالمے میں یقین رکھتے تھے، جسے انہوں نے انوبھوا منٹپا ایک سماجی و مذہبی اسمبلی کی طرز پر ادارہ کی تشکیل کی جہاں تمام شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے افراد بات چیت میں حصہ لے سکتے ہیں۔

کلیدی خیالات:

☆ مشمولی فیصلہ سازی: ذات پات، طبقے یا صنف سے قطع نظر، ہر کسی کو اپنی رائے کا اظہار کرنے اور فیصلہ سازی کے عمل میں اپنی شراکت داری کا حق حاصل تھا۔

☆ کھلے مکالمے: باسوااتّا نے خیالات کے آزادانہ اظہار کی حوصلہ افزائی کی، باہمی احترام اور افہام و تفہیم کے ماحول کو فروغ دیا۔

☆ نچلی سطح کی شراکت: حکمرانی اشرافیہ تک محدود نہیں بلکہ عام عوام کی فعال شراکت داری سے ہونی چاہئے۔

عمل آوری:

☆ جدید پارلیمانی نظام کی طرح بحث و مباحثے کے لیے باقاعدہ اسمبلیوں کا انعقاد کرنا۔

☆ سماجی مسائل کو حل کرنے کے لیے اجتماعی مسئلہ حل کرنے کے طریقوں کا استعمال کرنا۔

☆ کمیونٹی پر مبنی تنازعات کے حل کو فروغ دینا، جہاں تنازعات کو بات چیت اور اتفاق رائے کے ذریعے حل کیا جائے۔

☆ جوابدہی کو برقرار رکھنے کے لیے شفاف مواصلاتی چینلز کو یقینی بنانا۔

3.5.3 معاشی انصاف اور مزدور کا وقار

باسوا انّا کا معاشی فلسفہ مزدور کے وقار (کایکا) اور وسائل و دولت کا اخلاقی اشتراک (دسوہا) کے گرد گھومتا تھا۔ انہوں نے اس خیال کو مسترد کر دیا کہ بعض پیشے برتر یا کمتر ہوتے ہیں اور اس بات پر زور دیا کہ تمام پیشوں کی قدر یکساں ہے۔

کلیدی خیالات:

☆ کایکا (مزدور کا وقار): باسوا انّا کا خیال تھا کہ ہر قسم کا کام، چاہے دستی ہو یا دانشورانہ قدر کے لائق ہوتا ہے۔ انہوں نے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ اپنے کام پر فخر کریں اور اپنے منتخب کردہ پیشوں میں مہارت حاصل کریں۔

☆ دسوہا (دولت کا اشتراک): انہوں نے دولت کی اخلاقی تقسیم کی وکالت کی، اس بات کو یقینی بناتے ہوئے کہ وسائل کو معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کیا جائے۔

☆ معاشی مساوات: انہوں نے محنت کے استحصال اور چند لوگوں کے ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کی مخالفت کی۔

عمل آوری:

☆ کسی امتیاز کے بغیر مختلف پیشوں کو فروغ دینا، اس بات کو یقینی بنانا کہ تمام کاموں کا احترام کیا جائے۔

☆ پسماندہ افراد کی مدد کے لیے کمیونٹی کی فلاح و بہبود کے پروگرام قائم کرنا۔

☆ منافع پر سماجی بھلائی کو ترجیح دینے والے اخلاقی کاروباری طریقوں کی حوصلہ افزائی کرنا۔

☆ کاریگروں اور دستکاروں کی امداد کرنا، سماج میں ان کے تعاون کو تسلیم کرنا۔

3.5.4 صنفی مساوات اور خواتین کو بااختیار بنانا

باسوا انّا صنفی مساوات کے سخت حامی تھے، جو کہ پدرانہ سماج میں انقلاب کے مماثل تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ خواتین روحانی، فکری اور سماجی ترقی میں یکساں طور پر حصہ ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

کلیدی خیالات:

☆ مساوی حقوق: خواتین کو روحانی اور سماجی معاملات میں مساوی حیثیت دی گئی جو کہ خواتین کو گھریلو کرداروں تک محدود رکھنے والے روایتی اصولوں کو توڑا۔

☆ قائدانہ کردار: خواتین کو قائدانہ عہدوں پر فائز ہونے اور فیصلہ سازی کے عمل میں فعال طور پر حصہ لینے کی ترغیب دی گئی۔

☆ تعلیمی رسائی: باسوا انّا نے خواتین کے لیے تعلیم کو فروغ دیا، جس سے وہ سماج میں معنی خیز تعاون کر سکیں۔

توضیحات:

☆ خواتین نے بات چیت اور اصلاحات کے لئے فعال طور پر انوبھاوامنٹپا میں فعال طور پر حصہ لیا۔

☆ اکامہادیوی جیسی خواتین روحانی قائدین کی پہچان، جو تحریک میں نمایاں شخصیات بنیں۔

☆ واچنوں کے ذریعہ خواتین کے تخلیقی اظہار کی حوصلہ افزائی ہوئی جس سے خواتین کو اپنے خیالات اور فلسفوں کو بتانے کا موقع فراہم ہوا۔

☆ کم عمری کی شادی اور بیواؤں کی دوبارہ شادی پر پابندیوں سمیت خواتین کے خلاف امتیازی سلوک کی مخالفت۔

3.5.5 اخلاقی قیادت اور حکمرانی

باسوااّنا کا یہ یقین تھا کہ قیادت طاقت یا قوت کے برعکس اخلاقی اختیار اور سماج کی خدمت پر مبنی ہونی چاہیے۔ انہوں نے اچھی حکمرانی کی نشاندہی شفافیت، جوابدہی اور عوام کی فلاح و بہبود کے طور پر کی۔

کلیدی خیالات:

اخلاقی اختیار: قائدین کو اخلاقی طرز عمل اور ہمدردی کا مظاہرہ کرنے والی مثالی رہنمائی کرنی چاہئے۔

شفافیت: حکمرانی عوام کے لیے کشادہ اور جوابدہ ہونی چاہیے۔

خدمت پر مبنی: قیادت کو شخصی فوائد سے زیادہ سماج کی بھلائی کو ترجیح دینی چاہیے۔

عمل آوری:

☆ اخلاقی رویے اور عاجزی کی عملی مثال قائم کرنا۔

☆ سچائی اور انصاف پسندی کو فروغ دیتے ہوئے عوامی عہدے میں جوابدہی کے موقف کو یقینی بنانا۔

☆ برادری کے مفاد کے مطابق اخلاقی فیصلے کرنا۔

☆ حکمرانی کے بنیادی مقصد کے طور پر عوامی فلاح و بہبود پر توجہ مرکوز کرنا۔

3.5.6 عدم تشدد اور پرامن اصلاحات

باسوااّنا کسی تشدد کا راستہ اختیار کئے بغیر سماجی تبدیلی حاصل کرنے میں یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے طاقت کے استعمال کو مسترد کر دیا اور اس کے بجائے تبدیلی لانے کے لیے تعلیم، تبادلہ خیال اور اخلاقی ترغیب اختیار کرنے پر انحصار کیا۔

کلیدی خیالات:

پرامن تبدیلی: سماجی اصلاحات تنازعات یا تشدد کے بغیر حاصل کی جانی چاہئیں۔

بات چیت پر مبنی حل: مسائل کو بات چیت اور باہمی افہام و تفہیم کے ذریعے حل کیا جانا چاہیے۔

دانشورانہ انقلاب: تعلیم اور بیداری کے ذریعہ لوگوں کی ذہنیت کو تبدیل کرنا جبر سے زیادہ موثر تھا۔

استعمال شدہ طریقے:

☆ مساوات اور انصاف کے زبردست پیغامات پر مبنی واچنوں کو لکھنا اور ان کو عام کرنا۔

☆ بیداری میں اضافہ کرنا اور سماجی مسائل کو حل کرنے کے لیے عوامی بحث ومباحثوں کا اہتمام کرنا۔

☆ علم پھیلانے اور لاعلمی کو چیلنج کرنے کے لیے تعلیمی اقدامات شروع کرنا۔

☆ اتحاد اور تعاون کو فروغ دینے کے لیے کمیونٹی پروگراموں میں شامل ہونا۔

3.5.7 انفرادی آزادی اور وقار

انفرادی آزادی اور وقار کے باسوا اناّ چیمپئن وحامی تھے اور ہر شخص کو انتخاب کرنے، احترام اور خود مختاری کی زندگی گزارنے کے حق پر زور دیا۔

کلیدی خیالات:

☆ شخصی آزادی: ہر ایک کو زندگی میں اپنا راستہ منتخب کرنے کا حق ہے، بشمول اپنے پیشے اور روحانی طریقوں کا۔

☆ انسانی وقار: سماجی حیثیت سے قطع نظر ہر فرد کی موروثی قدر ہوتی ہے۔

☆ خودارادیت: لوگوں کو بیرونی مداخلت کے بغیر اپنی زندگی کے بارے میں فیصلے کرنے کی آزادی ہونی چاہیے۔

عملی اطلاق:

☆ پجاریوں کی مداخلت کے بغیر مذہبی عمل کی آزادی کو یقینی بنانا۔

☆ پیشہ کے انتخاب کو فروغ دینا، ذات پات پر مبنی ملازمت کی پابندیوں کا خاتمہ کرنا۔

☆ سب کے لیے تعلیم کے حق کی وکالت کرنا۔

☆ سماجی اور روحانی معاملات میں شخصی خود مختاری کی حمایت کرنا۔

3.5.8 برادری کی فلاح وبہبود اور اجتماعی ترقی

باسوا اناّ کے نزدیک کمیونٹی یا برادری کی فلاح وبہبود سب سے اہم تھی۔ ان کا ماننا تھا کہ انفرادی کامیابی کو اجتماعی فلاح میں حصہ ادا کرنا چاہیے، مشترکہ ذمہ داری کے احساس کو فروغ دینا چاہیے۔

کلیدی خیالات:

☆ اجتماعی فلاح: کمیونٹی کے مفادات کو انفرادی فائدے سے زیادہ ترجیح دینی چاہیے۔

☆ مشترکہ ذمہ داری: سماجی ترقی میں ہر ایک کا کردار ہے۔

☆ سماجی ہم آہنگی: ترقی کے لیے پرامن بقائے باہمی ضروری ہے۔

عمل آوری:

☆ ضرورت مند لوگوں کی مدد کے لیے کمیونٹی سروس پروگراموں کا اہتمام کرنا۔

☆ سماجی مسائل کے لیے اجتماعی فیصلہ سازی کی حوصلہ افزائی کرنا۔

☆ عدم مساوات کو کم کرنے کے لیے وسائل اور سہولیات کے اشتراک کو فروغ دینا۔

☆ سماجی اور اقتصادی استحکام کے لیے باہمی تعاون کے نظام کی تعمیر۔

3.5.9 جدید مطابقت

باسواانّا کی بنیادی اقدار جدید سیاسی نظاموں اور سماجی تحریکوں کو متاثر کرتی رہتی ہیں۔ان کی عکاسی اس میں ہوتی ہے:

☆ دستوری جمہوریت: مساوات اور شراکت دار حکمرانی پر ان کا زور جمہوری اصولوں کے مطابق ہے۔

☆ سماجی انصاف کی تحریکیں: ذات پات اور صنفی امتیاز کے خلاف ان کی جدوجہد مساوات کے لیے عصری جدوجہد سے مربوط ہے۔

☆ مزدور کے حقوق: کایکا کا ان کا تصور مزدور کے وقار کو اجاگر کرتا ہے، جو لیبر مزدور کا حقوق کی وکالت کا ایک اہم موضوع ہے۔

☆ صنفی مساوات: خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے ان کی حمایت جدید حقوق نسواں کی تحریکوں کے متوازی ہے۔

☆ قابل بقاء ترقی: اخلاقی طریقوں اور کمیونٹی کی فلاح و بہبود پر ان کی توجہ قابل بقاء ترقی کے اہداف کے مطابق ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ باسواانّا کی سیاسی فکر اپنے وقت میں انقلابی نوعیت کی حامل تھی اور عصری سیاسیات کے لیے قیمتی بصیرت فراہم کرتی رہتی ہے۔ مساوات کی وکالت، مزدور کے وقار کو فروغ، کمیونٹی پر مرکوز حکمرانی کا فروغ جیسے ان کے خیالات جدید دور میں بھی مطابقت رکھتے ہیں۔ان کی تعلیمات جامع اور شراکت دار حکمرانی، جبر کے چنوتی نظام اور انصاف اور مساوات کی طرف متاثر کن سماجی انقلابات کی میراث ہیں۔

3.6 تدریسی مقاصد (Teaching Objectives)

☆ باسواانّا پر مشتمل اس باب کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو سکیں گے کہ

☆ باسواانّا جس تاریخی اور سماجی و سیاسی حالات میں رہتے تھے اس کو سمجھیں اور سماجی و سیاسی اصلاحات کے لئے باسوا نے جن نظریات کو فروغ دینے کے لیے کام کیا اس کی وضاحت کریں۔

☆ کایکا (کام ہی عبادت ہے) اور دسوہا (دولت کی تقسیم) کے اصولوں اور جدید حکمرانی اور سماجی انصاف کے لیے ان کی مطابقت کی وضاحت کریں۔

☆ ذات پات کے امتیاز کو ختم کرنے اور سماجی مساوات قائم کرنے میں باسواانّا کے تعاون کا تجزیہ کریں۔

☆ حکمرانی میں شراکت دار جمہوریت اور شہری فورموں کے پیش خیمہ کے طور پر انوبھاوا منٹپا کی اہمیت کی ستائش کریں۔

☆ خواتین کو بااختیار بنانے اور عصری صنفی مساوات کی تحریکوں سے ان کے تعلق پر باسواانّا کی توجہ کا جائزہ لیں۔

☆ باسواانّا کی جانب سے استعمال کیے جانے والے سماجی اصلاحات کے پرامن طریقوں اور جدید عدم تشدد پر مبنی احتجاجی حکمت عملیوں سے ان کی شخصیت کو پہچانیں۔

☆ باسواانّا کے انفرادی وقار، مزدوروں کے حقوق اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے نظریات کے درمیان جدید سیاسی اور اخلاقی چیلنجوں کے ساتھ تعلق قائم کریں۔

☆ جامع اور مساوی سماج کو فروغ دینے میں باسواانّا کے اصولوں کی مسلسل مطابقت کا جائزہ لیں۔

3.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم نے

- باسوانا کے حیات اور خدمات پر روشنی ڈالا۔
- باسواانّا کے اہم اصلاحات اور سماجی ساخت پر اس کے اثرات پر تبادلہ خیال کیا۔
- اس کے اہم سیاسی اور فلسفیانہ تصورات کا تجزیہ کیا۔
- باسواانّا کے خیالات کو سیاسیات کے وسیع تر موضوعات سے مربوط کیا یعنی خاص طور پر حکمرانی، مساوات اور سماجی انصاف۔
- جدید دور میں باسواانّا کی فکر کی موزونیت کا تنقیدی جائزہ لیا۔

3.8 کلیدی الفاظ (Keywords)

واچنا: واچن کنڑ زبان میں لکھے گئے مختصر، عمیق شاعرانہ بیانات ہیں۔ اس کے بجائے عقیدت اور اخلاقیات کے سادہ تاثرات پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے، انہوں نے رسمی زبان اور ذات پات پر مبنی عقیدے سے گریز کیا۔ باسواانّا نے تقابلی اقدار کو عام کرنے اور سماجی درجہ بندی پر شخصی عقیدت کی وکالت کرنے کے لیے واچنوں کا استعمال کیا۔

انوبھاوامنٹپا: یہ باسواانّا کی رہنمائی میں قائم کی گئی ایک سماجی وروحانی مجلس تھی۔ جس نے مختلف ذاتوں اور طبقات کے لوگوں کے درمیان کھلے مکالمے کے لیے ایک پلیٹ فارم کے طور پر کام کیا، جس سے مساوات اور اجتماعی فیصلہ سازی کے اصولوں کو نمایاں طور پر فروغ حاصل ہوا۔

کایکا: کایکا سے مراد مزدور کے وقار اور اپنے پیشے یا کام کو عبادت کی ایک شکل کے طور پر سمجھنا ہے۔ باسوا کے کایکا پر زور دینے سے ذمہ داری اور مساوات کا احساس پیدا ہوا، جس نے موجودہ ذات کے کرداروں کو چیلنج کیا اور اس خیال کو فروغ دیا کہ تمام کام قابل قدر ہیں۔

دسوہا: دسوہا اپنی کمائی یا وسائل کا ایک حصہ سماج کے ساتھ بانٹنے کا رواج ہے۔ یہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی نشاندہی کرتا ہے، اس بات پر زور دیتا ہے کہ ذاتی دولت کو سماجی بہبود کے لیے بھی کام کرنا چاہیے اور اسے صرف افراد یا قبیلوں کے لیے مخصوص نہیں کیا جانا چاہیے۔

3.9 نمونہ امتحانات سوالات (Model Examinations Questions)

3.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type of Questions)

1. باسواانّا بنیادی طور پر ہندوستان کے کس علاقے سے تعلق رکھتے تھے؟

a. راجستھان

b. کرناٹک

c. تمل ناڈو

d. کیرالہ

2. بساونا کے لکھے ہوئے واچنائیں یہ ہیں۔

a. مہاکاوی نظمیں

b. مختصر شاعرانہ تحریریں

c. کمنٹریز کا متن

d. طویل ڈرامے

3. انوبھو منٹپا اہم تھا کیونکہ یہ

a. سخت ذات پات کی تقسیم کو برقرار رکھا

b. خاص طور پر سنتوں کے لیے ایک جگہ کے طور پر خدمت کی

c. سب کے درمیان کھلے مکالمے کی حوصلہ افزائی

d. شاہی خزانے کے طور پر کام کرتا ہے

4. باسوااناّ نے کایکا کے تصور کو فروغ دیا، جس کا مطلب ہے

a. تمام دنیا کے معاملات کو ترک کرنا

b. محنت کو عبادت کے طور پر دیکھنا

c. مندروں میں رسمی عبادت

d. زراعت پر خصوصی توجہ

5. دسوہا، باسوااناّ کا ایک اہم تصور جس میں شامل ہے

a. ذات پات پر مبنی علیحدگی

b. دولت کے لیے جنگ

c. مشترکہ مذہبی رسومات

d. وسائل اور دولت کو برادری کے ساتھ بانٹنا

6. باسوااناّ نے مسترد کیا

a. مساوات

b. ذات پات کا امتیاز

c. معاشرے میں خواتین کی شراکت داری

d. مراقبہ

7. باسوااناّ نے حکومت کے تحت وزیر کے طور پر خدمات انجام دیں

a. بادشاہ بججلا

b. شہنشاہ اشوک

c. کنگ کرشنا دیورایا

d. بادشاہ ہرش

8. باسوااناّ کی تعلیمات کا بنیادی مقصد یہ تھا:

a. جاگیر دارانہ درجہ بندی کو مستحکم کرنا

b. قدامت پسند مذہبی رسومات کو برقرار رکھنا

c. سماجی مساوات اور عقیدت کو فروغ دینا

d. مندروں کے لیے دولت جمع کرنا

9. باسوااناّ کی اصلاح کا پہلو جس پر ان کا زور تھا

a. سخت روحانی رسومات

b. قابلیت پر مبنی سماجی نظم

c. فوجی فتح

d. ریشم کی تجارت

10. مندرجہ ذیل میں سے کون سا خواتین کے بارے میں باسوااناّ کے موقف کی بہترین عکاسی کرتا ہے؟

a. عوامی کرداروں سے محروم کرنا

b. مردوں کے سخت ماتحت ہونا

c. روحانی گفتگو میں مساوی شرکت

d. مذہبی اجتماعات میں علیحدگی

3.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type of Questions)

1. بادشاہ بججلا کے دربار میں باسوااناّ کے رول پر مختصر بحث کریں۔

2. انوبھاوامنٹپانے سماجی اور سیاسی اصلاحات میں کس طرح تعاون کیا؟

3. کایکا کے اصول کو اپنے الفاظ میں بیان کیجئے۔

4. باسواانّا نے صنفی عدم مساوات کو کس طرح حل کیا؟

5. بیان کریں کہ باسواانّا کے واچنا کس طرح سیاسی اور اخلاقی پیغامات پہنچاتے ہیں بیان کیجئے۔

3.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type of Questions)

1. باسواانّا کے کایکا اور دسوہا کے تصور کو مساوات اور فلاح و بہبود کی وکالت کرنے والے سیاسی نظریات پر روشنی ڈالیئے۔

2. انوبھاوامنٹپا کی اہمیت اور اس کے جدید جمہوری فورموں کی مماثلت پر تفصیل سے بحث کیجئے۔

3. سماجی انصاف اور مساوات پر عصری مباحثوں میں باسواانّا کی مطابقت کا تنقیدی جائزہ لیجئے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

1۔ (b)	2۔ (c)	3۔ (b)	4۔ (b)	5۔ (a)	6۔ (b)	7۔ (a)	8۔ (c)	9۔ (b)	10۔ (c)

اکائی4 ۔ڈاکٹر بی۔آر۔امبیڈکر

(Dr. B. R. Ambedkar)

اکائی کے اجزا

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 امبیڈکر کی سوانح حیات

4.3 انگریزی حکومت سے متعلق امبیڈکر کا نظریہ

4.4 امبیڈکر دستور کے بانی

4.5 امبیڈکر کا نظریۂ اشتراکیت

4.6 مملکت اشتراکیت کے معنی

4.7 امبیڈکر سماجی مصلح کے طور پر

4.8 جمہوریت میں اعتماد اور جمہوری طریقہ

4.9 امبیڈکر کا نظریہ سماجی انصاف

4.10 اکتسابی نتائج

4.11 کلیدی الفاظ

4.12 نمونہ امتحانی سوالات

4.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

4.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

4.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

4.0 تمہید(Introduction)

بی۔ آر۔ امبیڈکر خصوصی طور پر بابائے آئین کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں کیونکہ دستور کو بنانے اور اس کو عمل میں لانے میں ان کا رول بہت اہم تھا۔ سیاسی میدان جیسے کہ جمہوریت میں ان کا گہرا اعتماد، پارلیمانی نظام کے حامی کے علاوہ دوسری میدان جیسا کہ اچھوتوں کی حق کی لڑائی اور اس کے تحفظ کے لیے ہندوستان کے آئین میں تفصیل سے تحریر کرنے کہ علاوہ امبیڈکر نے اقلیتی گروہ اور خواتین کے حقوق کی بھی لڑائی لڑی اور ان کے لیے قانون کی فراہمی کے ذریعہ عزت بخشی۔ امبیڈکر سماجی انصاف کے بھی حامل۔ تھے ان کا خیال تھا کہ ہندوستان میں سماجی انصاف و برابری کے حصول کے بغیر، معاشی اور سیاسی جمہوریت کے معنی بے معنی ہے۔ اس لیے انھوں نے سماجی انصاف پر خاصہ توجہ دی۔ اتناہی نہیں وہ پس ماندہ لوگوں کے پیغمبر بھی مانے جاتے تھے۔ کیوں کہ انھوں نے مساوات کام کے لیے مساوی تنخواہ سے لے کر خواتین کے لئے Maternity چھٹی اور ماں باپ کی ملکیت میں حصہ کا بھی معاملہ زور سے اٹھایا۔ اقلیتی اور قبائلی گروہ کے لیے بھی انھوں نے دستور میں کئی اہم بسہولیات فراہمی کیں جس سے ان کے حقوق زندگی کی حفاظت ہو سکے کیوں کہ انھیں ڈر تھا کہ سبھی باتوں کا اگر تفصیل سے دستوریہں ذکر نہیں ہوگا تو انگریزوں کے بعد اقتدار صرف اعلی ذات ہندؤں کے ہاتھ میں ہوگا جس سے پسماندہ اور اقلیتی طبقات کے استحصال کا امکان بنا رہے گا۔

4.1 مقاصد(Objectives)

اس اکائی کے مطالعہ کرنے کے بعد طلبا اس لائق ہو جائیں گے

- طلبا کو امبیڈکر کی سوانح حیات سے متعارف کرایں گے۔
- تاکہ اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ امبیڈکر کے سیاسی نظریہ سے واقف ہو جائیں۔
- امبیڈکر کا دستور کے بانی کے طور پر کیا رول تھا اور انھوں نے اچھوتوں، پسماندہ گروہ و خواتین کے لیے کیا اقدامات کیلیے اس بات بھی پوری طور پر جانکاری حاصل کریں گے۔
- ساتھ ہی طلبا امبیڈکر کے جمہوریت اور اشتراکیت کی نظریہ سے بھی روبرو ہو جائیں گے۔

بی۔ آر۔ امبیڈکر خصوصی طور پر بابائے آئین کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں کیونکہ دستور کو بنانے اور اس کو عمل میں لانے میں ان کا رول بہت اہم تھا۔ سیاسی میدان جیسے کہ جمہوریت میں ان کا گہرا اعتماد، پارلیمانی نظام کے حامی کے علاوہ دوسری میدان جیسا کہ اچھوتوں کی حق کی لڑائی اور اس کے تحفظ کے لیے ہندوستان کے آئین میں تفصیل سے تحریر کرنے کہ علاوہ امبیڈکر نے اقلیتی گروہ اور خواتین کے حقوق کی بھی لڑائی لڑی اور ان کے لیے قانون کی فراہمی کے ذریعہ عزت بخشی۔ امبیڈکر سماجی انصاف کے بھی حامل۔ تھے ان کا خیال تھا کہ ہندوستان میں سماجی انصاف و برابری کے حصول کے بغیر، معاشی اور سیاسی جمہوریت کے معنی بے معنی ہے۔ اس لیے انھوں نے سماجی انصاف پر خاصہ توجہ دی۔ اتنا ہی نہیں وہ پس ماندہ لوگوں کے پیغمبر بھی مانے جاتے تھے۔ کیوں کہ انھوں نے مساوات کام کے لیے مساوی تنخواہ سے لے کر خواتین کے لئے Maternity چھٹی اور ماں باپ کی ملکیت میں حصہ کا بھی معاملہ زور سے اٹھایا۔ اقلیتی اور قبائلی گروہ کے لیے بھی انھوں نے دستور میں کئی اہم بسہولیات فراہمی کیں جس سے ان کے حقوق زندگی کی حفاظت ہو سکے کیوں کہ انھیں ڈر تھا کہ سبھی باتوں کا اگر تفصیل سے دستوریہں ذکر نہیں ہوگا تو انگریزوں کے بعد اقتدار صرف اعلی ذات ہندؤں کے ہاتھ میں ہوگا جس سے پسماندہ اور اقلیتی طبقات کے استحصال کا امکان بنا رہے گا۔

4.2 امبیڈکر کی سوانح حیات (Life History of B. R. Ambedkar)

بھیم راؤ امبیڈکر کی پیدائش ایک انگریزی فوج میں ملازم ہندوستانی کے گھر 14 اپریل 1891ء کو مہو مدھو پردیش میں ہوئی تھی۔ ان کے والد کا نام رام جی مالوجی سکیال اور والدہ کا نام بھیما بائی تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کے 14 ویں نمبر کی اولاد تھے۔ امبیڈکر بچپن سے ہی پیدائشی ذہین اور قابل تھے۔ حالانکہ وہ ایک اچھے خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ بچپن سے لے کر جوانی تک وہ اپنی ذات کی وجہ سے امتیازی سلوک کا شکار ہوتے رہے کیوں کہ ان کی ذات لہار تھی جس کو اچھوت (Untouchables) مانا جاتا تھا۔

بچپن سے ہی بی۔ آر۔ امبیڈکر کا خاندان معاشی اور سماجی اعتبار سے بھید بھاؤ شکار تھا۔ امبیڈکر کے بچپن کا نام رام جی سکیال تھا۔ امبیڈکر کے آباواجداد (Ancestors) ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوج میں کام کرتے تھے اور ان کے والد انگریزی بھارتی فوج کی موچھاونی میں ایک معلم کے عہدے پر فائز تھے اور یہاں کام کرتے ہوئے وہ صوبیدار کے عہدے تک پہنچے۔ انھوں نے مراٹھی اور انگریزی میں تعلیم حاصل کی تھی اس لیے امبیڈکر کے والد نے اپنے بچوں کو پڑھنے اور سخت محنت کرنے کے لے ہمیشہ حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ امبیڈکر کے والد 1894ء میں ریٹائرڈ ہو گئے اس کے بعد وہ لوگ ستارا منتقل ہو گئے۔ وہاں جانے کے فوراً بعد ہی ان کی والدہ اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔ چار سال کے بعد ان کے والد دوسری شادی کر اپنے اہل خانہ کے ساتھ بمبئی میں مقیم ہو گئے۔ 1906ء کو 15 سالہ امبیڈکر کی شادی 9 سالہ رمابائی سے ہوئی۔ ان کے والد رام جی شقپال کا 1912ء کو بمبئی میں انتقال ہو گیا۔

اپنے بچپن کے دوران بی۔آر۔امبیڈکر کو چھوٹی ذات سے تعلق ہونے کی وجہ سے اکثر امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ فوجی اسکول میں بھی امبیڈکر کو امتیازی سلوک اور بے عزتی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ سماجی دباؤ کی وجہ سے اسکول کے ٹیچر برہمن اور چھوٹی ذاتی کے بچوں کے درمیان تفریق کیا کرتے تھے۔ استاد اکثر اچھوت طلبا کو کلاس روم سے باہر بیٹھنے کو کہا کرتے تھے۔ ستارا چلے جانے سے امبیڈکر کو اپنا اسکول بھی بدلنا پڑا لیکن اسکول بدلنے کے باوجود وہ جہاں بھی گئے ان کی قسمت نہیں بدلی۔ ہر جگہ اچھوت ہونے کی وجہ سے امتیازی سلوک کا سامنا بنا رہا۔ امریکہ سے واپس لوٹنے کے بعد لوہ برودا ہ دربار میں دفاع سکریٹری پر منتخب ہوئے لیکن یہاں بھی انھیں اچھوت ہونے کی وجہ سے شہر میں کوئی مکان دینے کو تیار نہیں ہوئے اور انھیں بے عزتی سے روبرو ہونا پڑا۔

بی۔آر۔امبیڈکر کی تعلیم (Education of B. R. Ambedkar)

امبیڈکر نے 1908ء میں ایلیفینسٹن ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ 1912ء میں انھوں نے بمبئی یونیورسٹی سے معاشیات اور سیاسیات میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ چونکہ امبیڈکر پڑھائی میں اچھے تھے اور سبھی امتحان اچھے نمبرات سے پاس کرتے گئے اس لیے ان کو بروڈا کے گائیکواڈ حکمران سے وظیفہ ملا۔ جس سے وہ امریکہ کے کولمبیا یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے روانہ ہوگئے۔ وہاں انھوں نے ایم۔اے معاشیات میں ڈگری حاصل کی۔ آگے چل کر اپنی سخت محنت کی بدولت لندن اسکول آف ایکنومکس (London School of Economics) سے ڈی۔ایس۔سی کی ڈگری حاصل کی۔ بھارت واپس لوٹنے کے بعد کچھ دنوں تک انہوں نے وکیل و معلم کے طور پر کام کیا اور پھر کر ذاتی امتیاز سلوک کے خلاف لڑنے کا فیصلہ کیا جس کی وجہ سے ان کو تمام عمر دکھ اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ زندگی کی آخری سانس تک وہ اچھوتوں اور پسماندہ طبقات کو حقوق دلانے کے لیے لڑتے رہے۔ حالانکہ ان کی فلاح کے لیے انھوں نے کئی مثبت اقدامات کا نظم کیا۔ سیاسی پارٹیاں بھی بنائی اور اچھوت اور پچھڑوں کے ساتھ میں دیگر طبقات کو آگاہ کرنے کے لیے کئی اہم کتابیں بھی لکھیں اور تنظیمیں بھی بنائی اور آخر میں 'ہندو کوڈ بل' کو لے کر وزیر قانون سے استعفیٰ دے دیا۔ 6 دسمبر 1956ء، بھارت کی تاریخ کا وہ منحوس دن تھا جس دن ہندوستان نے امبیڈکر جیسا انمول ہیرہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔

4.3 انگریزی حکومت سے متعلق امبیڈکر کا نظریہ (Ambedkar's view on the British Rule in India)

امبیڈکر غیر ملکی حکومت کی خامیوں سے اچھی طرح واقف تھے اور ان کو یہ معلوم تھا کہ انگریزی حکومت میں اچھوتوں کے حالات کبھی نہیں بدل سکتے۔ کیونکہ انگریزی حکومت سے اگر کسی کا بھلا بھی ہوتا ہے تو وہ صرف اور صرف ہندو کی اُنچی/اعلی ذاتی جسے برہمن۔ چھتریہ، انگریزوں کی منشا نہیں ہے کہ وہ بھارت سے چھوت۔ چھات مٹائے۔ سماجی اصلاح کو لے کر انگریز ہمیشہ محتاط رہتے تھے کیونکہ اگر وہ اچھوتوں کے حق میں کوئی بھی پالیسیاں بناتے تو انھیں اعلی ذات کے غصے کا سامنا کرنا پر سکتا تھا۔ یہاں تک کے تعلیم کے میدان میں بھی امبیڈکر کو ایسا محسوس ہوتا تھا

کہ انگریزی حکومت اچھوتوں کی تعلیم کو لے کر بھی ایماندار نہیں ہے۔ تعلیم کا فائدہ صرف ہندووں کی اعلی ذات کو ہی پہنچ رہا ہے۔ امبیڈکر چاہتے تھے کہ انگریزی حکومت اچھوت کی طرف سے ان کے خیالات کے حامی ہو لیکن حکومت اپنی ذمہ داری کو نظر انداز کرتی رہی۔ انگریزی حکومت کے اسی غیر ذمہ دارانہ رویہ سے اچھوتوں کو کسی بھی طرح کا انگریزی حکومت سے کوئی فائدہ نہیں ملا۔ یہاں تک کے امبیڈکر انگریزی نظم و نسق سے بھی خوش نہیں تھے کیونکہ یہ نظام مہنگا ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے فلاح کے لیے بھی کام نہیں کرتا تھا۔

امبیڈکر کو اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ جیسے ہی انگریز یہاں سے جاتے ہیں تو وہ اقتدار براہ راست اعلی ذات کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گا اس لیے ایسے سیاسی سمجھوتہ کا ہونا لازمی ہے جس سے کہ اچھوتوں کو تحفظ فراہم ہو سکے۔ مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انگریزی حکومت، اچھوتوں کے حق میں فرائض کو انجام دینے میں ناکام رہی۔ یہی وجہ ہے کہ امبیڈکر اپنی حکومت (Self-Government) کے حامی تھے۔ لیکن انھوں نے زور دے کر کہا کہ آزاد ہندوستان میں اچھوتوں کے نظام (Power Structure) میں خصوصی طور پر حصے داری ملنی چاہیے نہیں تو آزادی کے معنی صرف اعلی ذاتی کے ذریعہ حکمرانی ہو گی۔

4.4 امبیڈکر دستور کے بانی (B. R. Ambedkar as Constitution Framer)

بھارت کا دستور دنیا کا سب سے بڑا اور تحریری دستور شمار کیا جاتا ہے۔ اس کو بنانے اور عمل میں لانے کا کریڈیٹ کافی حد تک امبیڈکر کو جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ ڈرافٹنگ کمیٹی کے چیرمین تھے حالانکہ اس کمیٹی میں ان کہ علاوہ سات مختلف فیلڈ کے ماہرین ممبران بھی تھے۔ پھر بھی ایک ممبر نے کہا کہ بھلے سے ہم اس کمیٹی میں کئی ممبران ہے لیکن کئی وجوہات کے سبب بیشتر ممبران کا تعاون ناکافی رہا اور اس دستور کو بنانے اور اسے مکمل شکل دینے میں اس کے چیرمین ڈاکٹر امبیڈکر کا تعاون قابل تعارف رہا۔ چونکہ وہ قانون کے جانکار بھی تھے اس لیے دنیا کے بیشتر ممالک کے دستور کو پڑھنے کے بعد بھارت کے دستور کو کل دو برس گیارہ مہینہ اور 18 دن میں تیار کیا گیا۔ یہ دنیا کا سب سے طویل اور مفصل دستور ہے۔ چونکہ امبیڈکر کو صاف طور پر یہ علم تھا کہ بھارت ایک بڑا ملک ہونے کہ ساتھ یہاں مختلف زبانیں، تمدن، نسل، ذات اور مذاہب کے لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں۔ اگر ملک کی اس وحدانیت کا تحفظ کرنا ہے تو اس دستور کو سبھی کے حق اور تحفظ کے لیے تمام دفعات Provisions کو تفصیل سے تحریر میں لانا ہے۔ اس لیے انہوں نے آئین میں اچھوت، خواتین، اقلیتی گروہ، نیچے اور حاشیے پر رہنے والے ہر گروہ کی حقوق کو حفاظت کے لیے تفصیلی تحریر کی ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے سماج کے سبھی گروہ کے درمیان حقیقی پل کا تخلیق پر زور دیا۔ ان کے مطابق اگر ملک میں موجود مختلف گرہوں کے درمیان موجودہ کھائی کو کم نہیں کیا گیا تو ملک میں یکسانیت بنائے رکھنا بہت ہی مشکل ہو گا۔ انھوں نے ذاتی، مذہب اور جنسی مساوت پر خصوصی طور پر زور دیا۔

انہوں نے تعلیم اور سرکاری ملازمت میں درجِ فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائیلوں (Schedule castes and Schedule Tribes) طبقات کے لیے ریزرویشن کا نظام قائم کرنے کے لیے دستور ساز اسمبلی کا تعاون حاصل کیا۔ اس کے علاوہ، امبیڈکر نے دستور میں جن اہم باتوں کا خیال رکھا ان میں سے اہم ترین بنیادی حقوق (Fundamental Rights) کا التزام شامل ہے۔ کہ اگر حکومت کسی بھی فرد کے حق کو

پامال کرتی ہے تو دفعہ 32 کے تحت فرد اپنی حقوق کی بحالی کے لیے سپریم کورٹ جا سکتے ہیں۔ یہ ایک طرح سے مملکت پر پابندی عائد کرتی ہے۔ اسی طرح سے اقلیتی طبقہ کی حفاظت خاص کر ان کے مذہبی حقوق، زبان، تمدن اور تعلیمی اداروں اور تنظیم کو بھی بنیادی حقوق کے تحت رکھا گیا ہے۔

4.5 امبیڈکر کا نظریہ اشتراکیت (Ambedkar's view on Socialism)

امبیڈکر صرف ایک اسکالر ہی نہیں ہے بلکہ ان کو عقلی طور پر تصورات پر بھی مضبوط پکڑ حاصل ہے۔ اس کے علاوہ وہ جمہوریت کی راہ میں موجود مشکلات سے بھی اچھی طرح واقف ہیں۔ ان کے مطابق صرف آزادی، موزوں کے حصول کے لیے لازمی ہے لیکن وہ پر اثر دار تب بھی ہو سکتی ہے جب مساوات بھی ساتھ ہوں۔ اگر ہم جمہوری حکومت کو اختیار کرنا چاہتے ہیں تو جانتے ہیں تو مساوات کا انتظام کرنا لازمی ہے۔ اور ان کے خیال سے لبرل جمہوریت کا مغربی تصور اور پارلیمانی طرزِ حکومت، مساوات کی یقین دہانی نہیں کر سکتے۔ اسی وجہ سے امبیڈکر کا رجحان اشتراکیت (Socialism) کی طرف ہوا۔

اشتراکیت کی طرف جھکاؤ(Inclination towards State Socialism)

ان کے عہد میں دو طرح کی اشتراکیت نمایاں تھی۔ اول مارکسسٹ اشتراکیت (Marxist Socialism) ۔ امبیڈکر نے مارکسسٹ اشتراکیت کے کئی پہلو کا مطالعہ کیا اور مارکسسٹ اصولوں کی حمایت کی اور مارکس سے تاریخ کے مادی نظریہ کو لیا اور اس بات سے متفق ہوئے کہ مساوات کو قائم کرنے کے لیے مکمل تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے امبیڈکر نے اس خیال کو بھی زور دیا کہ عوام کو ملکیت پر مالکانہ حق ملنا چاہیے۔ حالانکہ مارکس کی کچھ باتوں کو اپنانے کا قطعی مطلب نہیں ہے کہ وہ مارکسسٹ ہو گئے تھے۔

دوسرے طرح کی اشتراکیت جمہوری اشتراکیت ہے۔ امبیڈکر کو جمہوریت میں اشتراکیت کے خیال نے کافی متاثر کیا ہے۔ ان کے مطابق، اشتراکیت کو لازمی طور پر جمہوری ڈھانچہ کے تحت کام کرنا چاہیے کیونکہ جمہوریت و اشتراکیت ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہے ۔1947ء میں امبیڈکر نے ''مملکت اشتراکیت(State Socialism) '' کا نظریہ پیش کیا۔ یہاں تک کہ اس سے قبل جب انھوں نے 1937ء کو اپنے قیادت میں انڈیپنڈینٹ لیبر پارٹی (Independent Labour Party) قائم کیا اس وقت بھی انھوں نے پارٹی کے زیر کئی اشتراکیت کے پروگرام چلائے۔ جیسا کے پارٹی کے نام سے بھی ظاہر ہوتا ہے یہ سماج کے پسماندہ گروہ کی پارٹی تھی اور یہ پارٹی چاہتی تھی کہ صنعتی اور زراعتی مزدور کے لیے کم سے کم معیاری زندگی کا یقین دہائی ہو سکے۔

4.6 مملکت اشتراکیت کے معنی (Meaning of State Socialism)

1947ء میں امبیڈکر نے یہ مشورہ دیا کہ بھارت کے دستور میں مملکت اشتراکیت کے اصول کو لازمی طور پر شامل کرنا چاہیے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مملکت اشتراکیت کیا ہے؟ مملکت اشتراکیت سے مراد یہ ہے کہ مملکت خود ہی زراعتی اور صنعتی سیکٹر کے نگرانی کے ذریعہ سے اشتراکیت کے پروگرام کو نافذ کرے گی۔

امبیڈکر کے نظریۂ مملکت اشتراکیت کے دو خاص پہلو ہیں۔ پہلا خاص اور بنیادی پہلو یہ ہے کہ کارخانے مملکت کے زیر انتظامی ہوں گے اور صنعت میں کسی ذاتی مالکانہ حق کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی جس کے نتیجہ میں صنعت کاری (Industrialization) کافی تیزی سے ہوگی اس سے جو منافع ہوگا وہ مملکت کے ذریعہ سماج میں موجود سبھی گروہ کی فلاح کے لیے یکساں طور پر استعمال کیا جائے گا۔ بیمہ (Insurance) بھی مکمل طور پر مملکت کے زیر نگرانی ہی رہے گا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ زراعت کو بھی مملکت کی ہی صنعت قرار دیا جانا چاہیے اس کا مطلب یہ ہے کہ مملکت اجتماعی کھیتی (Collective Farming) کو فروغ دے گی۔ کسان کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنی پیداوار سے اُٹھا سکے اور اس کے عوض مملکت کو کچھ محصول ادا کرے۔ مملکت کو صنعت و زراعت کی نگرانی میں چستی دیکھانا چاہیے۔ یہ تاکہ ملکیت کی مساوی تقسیم ضرورت منداور غریبوں کو یقینی بنائی جاسکے۔ تیز رفتار صنعت کی تیز رفتار ترقی اور سماج میں موجود سبھی طبقات کی فلاح بھی مملکت کی ہی ذمہ داری ہوگی۔ چنانچہ اوپر بتائی گئی تدابیر سے جمہوری تنظیم اور پارلیمنٹ بھی ہمیشہ محفوظ رہے گی۔

پارلیمانی نظام میں حکومت میں ایک ہی پارٹی دائمی طور پر ہمیشہ اقتدار میں نہیں رہتی۔ مختلف سیاسی جماعتیں مختلف تدابیر کے ذریعہ اقتدار میں آتی ہیں۔ اس لیے امبیڈکر نے یہ رائے دی تھی کہ وہ مملکت کا اشتراکیت اسکیم کو کسی بھی قیمت پر دستور کا ناقابل تبدیل حصہ بنایا جانا چاہیے۔ جس سے کی کوئی بھی سیاسی جماعت اقتدار میں کیوں نہ آئے اس مملکت کی اسکیم میں کوئی تبدیلی نہ لائے اور اس کو مسلسل نافذ کیا جاسکے ۔ مملکت کے اشتراکیت کے خیال سے پتا چلتا ہے کہ امبیڈکر غریبوں کے مسائل اور معاشی غیر برابری سے واقف تھے۔ انھوں نے صنعت کاری پر خاص زور دیا اور ان کا خیال تھا کہ بھارت کو تیز رفتار کے ساتھ صنعتی بالیدگی کی ضرورت ہے۔ جو زراعت کے دباؤ کو کم کرنے میں مدد کرے گا۔ لیکن صرف دھن و دولت کے لیے سرمایہ داری کے پہلو کو نظرانداز کیا گیا تھا۔

یہ سب تب ممکن ہے جب مملکت صنعتی میدان میں ایک اہم شراکت دار کے طور پر کام کرے۔ امبیڈکر کا خیال تھا کہ مملکت حکومت کے ذریعہ کام کرتی ہے جو کہ ایک غیر جانب دارانہ ایجنسی ہے جس کا کام تمام معاشرہ (Community) کے خواہشات کو حاصل کرنا۔ اس لیے انہوں نے حکومت کے اہم رول کو اُجاگر کیا۔ حکومت کا کام، امبیڈکر کے مطابق، فلاحی تنظیم کی طرح ہے اور مملکت کے ذریعہ تیز رفتار ترقی کی یقین دہائی کرنا اور اس ترقی کے فائدہ کا منصفانہ تقسیم فراہم کرنا ہے۔ حکومت کے رول کو صرف صنعت کاری تک ہی محدود کیا جاسکتا تھا بلکہ یہ امید کی گئی کے حکومت بینکنگ اور انسورنس (Banking and Insurance) کے میدان میں بھی متبادل رول ادا کرتا ہے۔

اتناہی نہیں، حکومت کو زراعت کی بھی لازمی طور پر اپنی نگرانی میں رکھنا چاہیے۔اہم کارخانوں اور صنعتوں پر مالکانہ حق رکھنے کے ساتھ زراعت کی نگرانی سے حکومت، معاشی غیر مساوات کا خاتمہ کر سکے گی۔ خلاصہ کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ صرف حکومت کے ذریعہ ہی معاشرہ میں عظیم تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔

4.7 امبیڈکر سماجی مصلح کے طور پر(Ambedkar's as a Social Reformer)

امبیڈکر کو سماجی مصلح کے طور پر بھی یاد کیا جاتا ہے۔انھوں نے زندگی بھر اچھوتوں کی لڑائی لڑی اور سماج میں موجود چھوا چھوت کا خاتمہ کرنا ان کا مقصد تھا اس لیے انہوں نے زندگی بھر ان بُرائی کو ختم کرنے کی جدوجہد کی لیکن آج بھی ہمارا معاشرہ اس تفریق کو ختم کرنے اور اس سے نجات پانے ناکام ہے۔دستور کے مطابق چھوا چھوت اب دفعہ 17 کے تحت پابندی عائد کر دی گئی ہے۔1924ء سے اچھوتوں کے حق میں جو تحریک چلائی وہ اس کی زندگی کے آخری سانس جاری رہی اور ان کا یہ خیال تھا کہ ملک کی ترقی تب تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ سماج سے چھوا چھوت (Untouchability) کو ختم نہ کر دیا جائے۔اس لیے انھوں نے ہندو فلسفی کو اچھی طرح مطالعہ کیا اور ذات پات کو ہمیشہ تنقیدی نظروں سے دیکھا۔چونکہ وہ محسوس کرتے تھے کہ بھارت میں چھوا چھوت کی اہم وجہ ہندو مذہب میں موجود ذات پات کا نظام ہے۔ اس لیے چھوا چھوت کے خاتمہ کے لیے سب سے پہلے ہندوستانی سماج میں موجود ذات پات کے نظام کو ختم کرنا ہوگا۔

امبیڈکر کو یہ یقین تھا کہ جب تک سماجی انصاف کا مقصد جب تک حاصل نہیں ہو جاتا تب تک معاشی اور سیاسی مسائل ختم نہیں ہونگے۔اگر سیاسی نجات سماجی نجات سے پہلے ممکن ہے تب نتیجتاً حکمرانی اُونچی ہندو ذات کے ذریعہ ہوگی۔ نتیجتاً نچلے ذات کے خلاف ناانصافی جاری رہے گی۔

سماجی ریفارم کے معنی خاندان اور مذہب میں ریفارم

سماجی ریفارم لانے سے مراد ہے کہ خاندان میں موجود برائی جیسے نابالغ شادی (Child Marriage) کا خاتمہ نہایت ہی لازمی ہے اور امبیڈکر سماج او رخاندان میں پائے جانے والے ایسی رسومات کے خلاف تھے۔ وہ خواتین کو با اختیار (Empowerment) Women کے حق میں تھے اس لیے انھوں نے خواتین کے کئی اہم حقوق کی وکالت کی۔ بمبئی کے قانون ساز اسمبلی میں جولائی 1928ء کارخانے میں کام کرنے والی خواتین کے لیے یہ انھیں کی کوشش تھی کہ جب بھارت میں پہلی بار بمبئی قانون ساز اسمبلی نے Maternity Benefits Act 1929 پاس کیا۔اس کے کچھ سال کے بعد سال 1934 میں ایسا ہی قانون مدراس کی قانون ساز اسمبلی نے پاس کیا۔امبیڈکر 1942-46 وزیر مزدور کی حیثیت سے خادانوں میں کام کرنے والی خواتین کے لیے ایسے ہی بل پاس کیا جس میں 8 ہفتے کی چھٹی فراہم کی گئی۔یہ قانون ہندوستان کے سطح پر تھا۔

امبیڈکر کے 'مساوی کام کے لیے مساوی تنخواہ (Equal Pay of Equal Work)' کسی بھی کے مسئلہ کو بھی قانون سازی کے لیے دستور ساز اسمبلی میں پیش کرنے کا اہم قدم اُٹھایا۔ امبیڈکر خواتین کی ملکیت میں حصے داری کے بھی حامی تھے اور انھوں نے ان مسائل کا حل 'ہندو کوڈ بل' کے تناظر میں پیش کیا۔ بھارت کی آزادی کے بعد وہ وزیر قانون بنے اور وہ خواتین کو ماں۔ باپ کی ملکیت میں حصہ ملے، ہندو کوڈ بل میں اس کی وکالت کی لیکن ملک میں اس بل کا بڑے پیمانے پر لوگوں نے مخالفت کی اور یہ پارلیمنٹ میں پاس نہ ہو سکا۔

اس طرح معاشراتی اصلاح کے میدان میں ان کا رول بہت اہم ہے ایک اہم تھا۔ 1923ء میں 'بہش کیرت ہتکرنی سبھا (Outcaste Welfare Association)' یہ تنظیم مکمل طور سے سماج کے پسماندہ گروہ کے تعلیم اور تمدن کے لیے مشغول تھی۔ آگے چل کر مندر داخلہ (Temple Entry) کا رام مندر 1930ء میں ناسک ضلع میں تمام ذاتوں کے مندر میں داخلہ کو لیکر انہوں نے جدوجہد کی۔ یہ جدوجہد انسانی حقوق اور سماجی انصاف کے لیے بہت تعمیری نوعیت کی تھی۔ بی۔ آر۔ امبیڈکر لندن میں منعقد تینوں گول میز کانفرنس میں شامل ہوئے جس کا صرف واحد مقاصد تھا اچھوت کے حق کی آواز بلند کرنا۔

دیگر اہم موزوں کی کوششوں میں پونا ایکٹ، جس کے ذریعہ امبیڈکر نے اچھوتوں کے لیے علحدہ حق رائے ہی اور 1931ء میں اٹڈ پینڈینٹ لیبر پارٹی کا قیام شامل ہے۔ جب امبیڈکر کچھ معاشراتی اصلاح کی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے تو سال 1956ء میں انھوں نے ہندو سماج کے مخالفت کے طور پر اپنے 5 لاکھ پیروکار کے ساتھ بدھ مذہب تسلیم کر لیا۔

4.8 جمہوریت میں اعتماد اور جمہوری طریقہ (Faith in Democracy and Constitution Method)

ڈاکٹر امبیڈکر کو بھارت کی جمہوریت اور دستوری طریقہ میں بھرپور اعتماد تھا۔ وہ بھارت میں حقیقی جمہوریت قائم کرنا چاہتے تھے۔ وہ سیاسی جمہوریت کے ساتھ معاشی اور سماجی جمہوریت کو بھی عمل میں لانا چاہتے تھے۔ ان کے مطابق، جمہوریت زندگی گزارنے کا طریقہ ہے جو کہ مساوات ،بھائی چاراہ ، آزادی، انصاف اور باوقار پر مستمل ہو ۔ انھوں نے یہ محسوس کیا کہ بھارت میں جمہوریت کا تعارف (Introduction) ابھی اپنے رسمی طور پر ہے اور سماجی انصاف کے موافق نہیں ہے اس لیے وہ اچھوت کو اکثری حکمرانی (Majority Rule) کے ماتحت تب تک نہیں رکھ سکتے جب تک کہ ان کے حقوق کو دستوری طور پر یقن دہانی کی جائے۔ اچھوت ایک ایسا نمونہ گروہ ہے جو سماجی استحصال سے بُری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ وہ ملک کی آزادی سے تب ہی فائدہ اٹھا پائیں گے جب ان کے لیے دستور میں مخصوص تحفظ فراہمی ہو۔

ڈاکٹر امبیڈکر مغربی جمہوریت یا انگریزی جمہوریت جیسا نظام بھارت کے لیے نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہاں سیاسی جمہوریت پر زیادہ توجہ ہوتی تھی ۔ جب کہ بھارت جیسے ملک کی جمہوری کامیابی کے لیے سیاسی جمہوریت کے ساتھ ساتھ معاشی اور سماجی جمہوریت کو بھی نافذ کرنا لازمی تھا۔

بھارت سے بڑا ملک جہاں غریبی، پسماندگی، وحدانیت عام ہے صرف سیاسی جمہوریت کے بناپر ملک کو مستحکم رکھنا دسوار ہوگا۔ اپنے جمہوری اعتماد کی وجہ سے مملکت کے کچھ مقاصد مندرجہ ذیل میں ہے۔

a) ہر ایک شہری کے حقوق سے زندگی، آزادی برقرار رکھنے کے لیے کوشاں رہنا، خوشی کی تلاش اور آزادانہ تقریر اور اپنے مذہب کو ماننا

b) پسماندہ طبقہ کو بہتر مواقع فراہم کر اس کے سماجی، معاشی اور سیاسی غیر برابری کا خاتمہ کرنا۔

c) ہر ایک شہری کے لیے 'Freedom from want' اور ڈر سے نجات کو ممکن بنانا۔

ڈاکٹر امبیڈکر جمہوریت کو مستحکم کرنے کے لیے ہمیشہ دستوری طریقہ پر قائم رہے۔ سول نافرمانی کا ہتھیار، عدم تعاون اور ستیا گرہ یہ سب آزادی کی تحریک کا حصہ تھا ان اصولوں کو بھارت کی آزادی کے بعد اور جمہوری سلسلہ قائم ہونے کے بعد چھوڑ دیا گیا۔ امبیڈکر لکھتے ہیں کہ ملک میں اگر جمہوریت کو بنائے رکھنا ہے تو تین چیزیں لازمی طور پر کیا جانا ضروری ہے۔

i. سماجی اور معاشی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے تیز رفتاری سے دستوری طریقہ کو اپنانا چاہیے جب تک کہ یہ پوری طور پر لازمی اور ضروری نہ بن جائے۔

ii. سیاسی جمہوریت کو سماجی جمہوریت میں منتقل کیا جانا چاہئے۔

iii. آزادی کو کسی شخصیت کا محتاج نہیں ہے بننے دیا جانا چاہئے۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے کوشش سے بھارت کی جمہوریت کو مستحکم اور ذمہ دارانہ نظام بنانے کا ہر ممکن کوشش کیا۔

4.9 امبیڈکر کا نظریہ سماجی انصاف (Ambedkar's views on Social Justice)

بھارتی سماج میں امبیڈکر ایک غیر معمولی مفکرین میں سے ایک تھے۔ جنہوں نے خود کو ایک انصاف پسند اور مساوی سماج قائم کرنے کے لیے ہمیشہ کوشش کی۔ ان کا یہ مساوی سماج صرف اپنے لوگوں تک ہی محدود نہیں تھا۔ بلکہ وہ ملک کے تمام لوگوں کے لیے تھا۔ ان کی زندگی فلسفہ اور سماج کے پسماندہ طبقات اور اس کے حقوق کو تحفظ فراہم کرنے میں وقف ہو گیا۔ وہ ایک صادق سماج وادی تھے جو سماجی جمہوریت کو قائم کرنے میں لگے رہے جس کے ذریعہ لوگوں کو تعلیمی، معاشی اور تمدنی ضروریات کو متعین بنایا گیا۔ وہ ایک ایسے فلسفی تھے جنہوں نے ملک میں تبدیلی کے عوامل کو بڑھانے میں مدد کی۔ انھوں نے ایک طرح سے سماج میں موجود غیر برابری، عدم انسانیت، بے عزتی وغیرہ کے خلاف جہاد چھیڑ رکھا تھا۔ یہ وہی تھے جن کے مطابق بغیر سماجی نجات (Social Emancipation) کے سیاسی نجات حاصل کرنا ممکن نہیں

ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ کوئی بھی معاشی اصلاح یا سیاسی اصلاح تب تک با معنی نہیں ہو سکتی جب تک کہ سماج میں موجود سماجی غیر برابری کا خاتمہ نہ ہو جائے اور وہ کہتے ہیں سماج میں پسماندہ کو نجات، سیاسی آزادی کے حصول سے ہی مل سکتا ہے۔

امبیڈکر کو یہ پختہ یقین تھا کہ سماجی انصاف کا تصور، لوگوں کے ضرورت کے مطابق تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سماجی انصاف اس لیے بھی ضرورت ہے کیوں کہ ہندوستانی سماج ذات اور گروہ میں تقسیم ہے اس لیے سب کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا تو کہیں نہ کہیں یہ ہندوستانی جمہوریت کے لیے ایک خطرہ ثابت ہوگا۔ جدید دور میں لفظ سماجی انصاف سماجی اشیاء سے جڑا ہے (Social Goods) سے۔ اس سماجی انصاف سے مراد ہے مساوی مواقع کی موجودگی جس سے کوئی بھی فرد کی ترقی بغیر کسی ذات، مذہب، نسل، جنس کے بنیاد پر ممکن ہو سکے۔ آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سماجی انصاف کا مطلب ہے سماج میں موجود سبھی گروہ کو مواقع فراہم کرنا چاہے وہ کسی بھی سطح پر ہو۔ امبیڈکر کا سماجی انصاف کا نظریہ ہندوستانی سماج کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔

4.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعہ کرنے کے بعد نے سیکھا کہ

- امبیڈکر کی سوانح حیات سے اچھی طرح سے متعارف ہوئے۔
- اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ امبیڈکر کے سیاسی نظریہ سے واقف ہوئے۔
- امبیڈکر کا دستور کے بانی کے طور پر کیا رول تھا اور انھوں نے اچھوتوں، پسماندہ گروہ و خواتین کے لیے کیا اقدامات کئے اس بات کی بھی پوری طور پر جانکاری حاصل کیے۔
- امبیڈکر کے جمہوریت اور اشتراکیت کی نظریہ سے بھی روبرو ہوئے۔

4.11 کلیدی الفاظ (Key Words)

1. اچھوت : سماج کے نچلے پائیدان میں موجود ایسا گروہ جس کو چھونے سے اُونچی ذات والے غیر مقدس ہو جاتے ہیں
2. تفریق : دو یا اس سے زائد لوگوں کے درمیان امتیازی سلوک
3. آئین : کسی ملک کا بنیادی قانون یا ضابطہ
4. پارلیمانی نظام: ایسا نظام جس میں حقیقی اختیارات عوام کے نمائندوں کے پاس ہوتے ہیں۔

5. مہاڑ : مہاراشٹر کی ایک ہندو مذہب سے متعلق ایک ذات جو ذات کے نظام میں نچلے پائیدان پر ہونے کی وجہ سے اچھوت سمجھے جاتے ہیں

6. انصاف : انصاف سے مراد، سماج کے اندر ملکیت کی تقسیم موقع فراہمی اور حقوق کی بنیاد پر مساوی سلوک

4.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

4.12.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات (Objective Answer Type Questions)

1. دستور ہند کی کس دفعہ کے تحت چھوا چھوت پر پابندی عائد کر دی گئی ہے؟

(a) دفعہ 18 (b) دفعہ 17 (c) دفعہ 23 (d) دفعہ 15

2. 'Independent Labour Party' کس سال قائم کی گئی؟

(a) 1937 (b) 1938 (c) 1936 (d) ان میں سے کوئی نہیں

3. ڈاکٹر بی۔آر۔امبیڈکر کی پیدائش کس سال ہوئی تھی؟

(a) 1891 (b) 1892 (c) 1895 (d) 1894

4. امبیڈکر کا تعلق ہندو مذہب کی کس ذات سے تھا؟

(a) کہار (b) لہاڑ (c) جاٹو (d) مہار

5. آزاد ہندوستان کے کابینہ میں امبیڈکر کس محکمہ کے وزیر بنائے گئے تھے؟

(a) قانون (b) وزیر داخلہ (c) وزیر خارجہ (d) وزیر تعلیم

6. لندن میں منعقد ہوئی کتنی گول میز کانفرنس میں امبیڈکر نے شرکت کی تھی؟

(a) پہلا (b) دوسرا (c) پہلا، دوسرا اور تیسرا (d) صرف پہلا اور دوسرا

7. 'ہندو کوڈ بل' کس کی قیادت میں پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا تھا؟

(a) جواہر لعل نہرو (b) امبیڈکر (c) سردار بلبھ بھائی پٹیل (d) ان میں سے کوئی نہیں

8. بھارت کے دستور کو بنانے میں کتنا وقت لگا تھا؟

(a) دو برس گیارہ مہینے اٹھارہ دن (b) دو برس (c) دو برس دس مہینے دس دن (d) دو برس تیرہ مہینے

9. درج ذیل ممبران میں سے کس کو ڈرافٹنگ کمیٹی کا ممبر بنایا گیا تھا؟

(a) جواہر لعل نہرو (b) سردار بلبھ بھائی پٹیل (c) جگ موہن رام (d) ان میں سے کوئی نہیں

10. امبیڈکر نے زندگی کے آخری وقت میں اپنے پیروکاروں کے ساتھ ہندو مذہب کو چھوڑ کر کس مذہب کو اپنالیا تھا۔

(a) عیسائی (b)بدھ (c)اسلام (d)ان میں سے کوئی نہیں

4.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. دستور کے بانی کے طور پر امبیڈکر کے رول کا جائزہ لیجیے۔
2. امبیڈکر کی سوانح حیات پر مختصر نوٹ لکھیے۔
3. امبیڈکر اچھوتوں کے پیغمبر سمجھے جاتے ہیں واضح کیجئے۔
4. امبیڈکر کے نظریہ سماجی انصاف کو مختصر طور پر بیان کیجیے۔
5. ہندوستانی سماج میں امبیڈکر کے رول کا مختصر جائزہ لیجیے۔

4.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. امبیڈکر کا سماجی مصلح کے طور پر ہندوستانی سماج میں کیا رول رہے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔
2. امبیڈکر کے نظریہ اشتراکیت پر روشنی ڈالیے۔
3. ڈاکٹر امبیڈکر کے جمہوری اعتماد پر نوٹ لکھیے۔

:

معروضی سوالات کے جوابات:

1۔	(b)	2۔	(c)	3۔	(a)	4۔	(d)	5۔	(a)
6۔	(c)	7۔	(b)	8۔	(a)	9۔	(d)	10۔	(b)

اکائی 5-وینائک دامودر ساورکر

(Vinayak Damodar Savarkar)

اکائی کے اجزاء

5.0 مقاصد

5.1 تمہید

5.2 وینائک دامودر ساورکر کی مختصر سوانح حیات

5.3 اہم شخصیت اور واقعات

5.4 وینائک دامودر ساورکر کے کلیدی خیالات

5.5 ساورکر اور انقلابی سرگرمیاں

5.6 سیاسی نظریہ اور شراکت

5.7 قوم پرستی اور ہندو مہاسبھا

5.8 اکتسابی نتائج

5.9 کلیدی الفاظ

5.10 نمونہ امتحانی سوالات

5.10.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات

5.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

5.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

5.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

5.0 تمہید (Introduction)

ویر ساورکر، ایک کثیر جہتی شخصیت نے ہندوستانی جدوجہد آزادی اور جدید ہندوستان کے سماجی و سیاسی منظر نامے پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ ان کی زندگی، غیر معمولی لچک، فکری ذہانت، اور غیر متزلزل حب الوطنی سے عبارت ہے، آزادی اور انصاف کے انتھک جستجو کے جذبے کی مثال

ہے۔ ونائک دامودر ساور کر کے نام سے 28 مئی 1883 کو مہاراشٹر کے چھوٹے سے گاؤں بھگور میں پیدا ہوئے، وہ ہندوستانی تاریخ کی ایک بلند پایہ شخصیت بن گئے، جن کی بہت سے لوگ عزت کرتے ہیں اور کچھ لوگوں نے تنقید کی۔

ہندوستانی تاریخ میں ساور کر کی اہمیت برطانوی نوآبادیاتی حکمرانی کے خلاف انقلابی تحریک میں ان کی اہم شراکت، ہندوتوا نظریہ کی تشکیل، اور ان کی شاندار ادبی پیداوار میں مضمر ہے۔ لندن میں قانون کے ایک نوجوان طالب علم کے طور پر، وہ برطانوی راج سے مکمل آزادی کی وکالت کرتے ہوئے ہندوستانی انقلابی تحریک کی ایک اہم شخصیت بن گئے۔ ان کے کام "ہندوستانی آزادی کی پہلی جنگ" نے 1857 کے بغاوت پر نئی روشنی ڈالی، نوآبادیاتی بیانیہ کو چیلنج کیا اور آزادی کے جنگجوؤں کی آنے والی نسلوں کو متاثر کیا۔ جزائر انڈمان کی سیلولر جیل میں اذیت ناک قید برداشت کرنے کے باوجود، ان کی روح اٹوٹ رہی، اور ان کی تحریریں قوم پرستی کے جذبات کو ابھارتی رہیں۔

یہ مضمون ویر ساور کر کی زندگی اور وراثت پر روشنی ڈالتا ہے، ان کے ابتدائی سالوں اور تعلیم، ان کی انقلابی سرگرمیوں اور اس کے بعد کی قید، ان کے سیاسی نظریے اور شراکت، ان کے ادبی کاموں، اور ہندوستانی معاشرے پر ان کے دیرپا اثرات کی کھوج کرتا ہے۔ ان پہلوؤں کا جائزہ لے کر، ہمارا مقصد ایک ایسے شخص کو جامع طور پر سمجھنا ہے جس کے خیالات اور اعمال قوم پرستی، سیکولرازم، اور ہندوستان کی جدوجہد آزادی کی پیچیدہ تاریخ پر عصری گفتگو کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔ اس سفر کے ذریعے، ہم ویر ساور کر کی پائیدار وراثت کے جوہر اور موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لیے اس کے اسباق سے پردہ اٹھائیں گے۔

5.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلبا اس لائق ہو جائیں گے:۔

- وہ ویر ساور کر کے سوانح حیات کو کی معلومات حاصل کریں گے۔
- اس کے اہم شخصیت اور واقعات سے رُوبرو ہوُائیں گے۔
- ساور کر کے کلیدی خیالات سے واقف ہوں گے۔
- ساور کر کے انقلابی سرگرمیوں کو سمجھیں گے۔
- ساور کر کے سیاسی نظریہ اور سیای شراکت داری کی سمجھ حاصل کریں گے۔
- قوم پرستی اور ہندو مہاسبھا کے خیلات سے روشناس ہوں گے۔

ویر ساور کر، ایک کثیر جہتی شخصیت کے مالک تھے جو ہندوستانی جدوجہد آزادی اور جدید ہندوستان کے سماجی و سیاسی منظر نامے پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ ان کی زندگی، غیر معمولی لچک، فکری ذہانت، اور غیر متزلزل حب الوطنی سے عبارت ہے، آزادی اور انصاف کے انتھک جستجو کے

جذبے کی مثال ہے۔ ونائک دامودر ساورکر 28 مئی 1883 کو مہاراشٹر کے چھوٹے سے گاؤں بھگور میں پیدا ہوئے، وہ ہندوستانی تاریخ کی ایک بلند پایہ شخصیت بن گئے، جن کی بہت سے لوگ عزت کرتے ہیں اور کچھ لوگوں نے تنقید کی۔

ہندوستانی تاریخ میں ساورکر کی اہمیت برطانوی نوآبادیاتی حکمرانی کے خلاف انقلابی تحریک میں ان کی اہم شراکت، ہندوتوا نظریہ کی تشکیل، اور ان کی شاندار ادبی پیداوار میں مضمر ہے۔ لندن میں قانون کے ایک نوجوان طالب علم کے طور پر، وہ برطانوی راج سے مکمل آزادی کی وکالت کرتے ہوئے ہندوستانی انقلابی تحریک کی ایک اہم شخصیت بن گئے۔ ان کے کام "ہندوستانی آزادی کی پہلی جنگ" نے 1857 کے بغاوت پر نئی روشنی ڈالی، نوآبادیاتی بیانیہ کو چیلنج کیا اور آزادی کے جنگجوؤں کی آنے والی نسلوں کو متاثر کیا۔ جزائر انڈمان کی سیلولر جیل میں اذیت ناک قید برداشت کرنے کے باوجود، ان کی روح اٹوٹ رہی، اور ان کی تحریریں قوم پرستی کے جذبات کو ابھارتی رہیں۔

یہ مضمون ویر ساورکر کی زندگی اور وراثت پر روشنی ڈالتی ہے، ان کی ابتدائی سالوں اور تعلیم، ان کی انقلابی سرگرمیوں اور اس کے بعد کی قید، ان کے سیاسی نظریے اور شراکت، ان کے ادبی کاموں، اور ہندوستانی معاشرے پر ان کے دیرپا اثرات کی کھوج کرتا ہے۔ ان پہلوؤں کا جائزہ لے کر، ہمارا مقصد ایک ایسے شخص کو جامع طور پر سمجھنا ہے جس کے خیالات اور اعمال قوم پرستی، سیکولرازم، اور ہندوستان کی جدوجہد آزادی کی پیچیدہ تاریخ پر عصری گفتگو کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔ اس سفر کے ذریعے، ہم ویر ساورکر کی پائیدار وراثت کے جوہر اور موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لیے اس کے اسباق سے پردہ اٹھائیں گے۔

5.2 ساورکر کی مختصر سوانح حیات (Short Life History of Veer Savarkar)

بچپن اور ابتدائی زندگی (Childhood and Early Life)

ونائک دامودر ساورکر 28 مئی 1883 کو بمبئی پریذیڈنسی، برٹش انڈیا کے ناسک ضلع کے بھگور میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک برہمن ہندو گھرانے میں پیدا ہوا تھا اور اس نے اپنا بچپن اپنے بہن بھائیوں گنیش، مینا بائی اور نارائن کے ساتھ گزارا۔ 12 سال کی عمر میں، ساورکر نے مسلمانوں کے ایک گروہ کو بھگانے کے لیے طلباء کے ایک گروپ کی قیادت کی، جس نے ان کے شہر میں پریشانی پیدا کر دی تھی۔ اس کے بعد اس کی بہادری کی تعریف کی گئی، جس کی وجہ سے اُسے 'ویر' (دلیر شخص) کا لقب ملا۔

ساورکر ایک انقلابی نوجوان بن گئے، اس کے بڑے بھائی گنیش نے اپنی نوعمر زندگی میں ایک بااثر کردار ادا کیا۔ ایک نوجوان کے طور پر، ساورکر نے نوجوانوں کے ایک گروپ کو منظم کیا اور اسے 'مترا میلہ' کا نام دیا۔ انہوں نے اس گروپ کو انقلابی سرگرمیوں کو منظم کرنے کے لیے استعمال کیا کیونکہ وہ لالہ لاجپت رائے، بال گنگادھر تلک، اور بپن چندر پال جیسے بنیاد پرست سیاسی رہنماؤں سے متاثر تھے۔ دریں اثنا، اس نے پونے کے 'فرگوسن کالج' میں اپنا داخلہ لیا اور اپنی ڈگری مکمل کی۔

اس کے بعد اسے انگلینڈ میں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسکالرشپ کی پیشکش کی گئی اور اس کے بعد شیام جی کرشنا ورما نے ان کی مدد کی، جس نے انھیں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلینڈ بھیجا۔ 'گریز ان لاء کالج' میں داخلہ لینے کے بعد، ساور کر نے شمالی لندن میں طالب علم کی رہائش گاہ 'انڈیا ہاؤس' میں پناہ لی۔ لندن میں رہتے ہوئے ساور کر نے اپنے ساتھی ہندوستانی طلباء کو متاثر کیا اور 'فری انڈیا سوسائٹی' کے نام سے ایک تنظیم بنائی، جس نے ہندوستانیوں کو انگریزوں سے مکمل آزادی کے لیے لڑنے کی ترغیب دی۔

ساور کر نے آزادی حاصل کرنے کے لیے '1857 کی بغاوت' کی طرز پر گوریلا جنگ کا سوچا۔ اُس نے ایک کتاب لکھی جس کا عنوان تھا انڈین وار آف انڈپینڈنس، (Indian War of Independence) جس نے بہت سے ہندوستانیوں کو اپنی آزادی کے لیے لڑنے کی ترغیب دی۔ اگرچہ اس کتاب پر انگریزوں نے پابندی عائد کر دی تھی لیکن اس نے کئی ممالک میں بہت مقبولیت حاصل کی۔ ساور کر نے بم بنانے اور گوریلا جنگ کے بارے میں ایک دستی بھی چھاپی، جسے اس نے اپنے دوستوں میں تقسیم کیا۔ 1909 میں، ساور کر نے کہا کہ وہ اپنے دوست مدن لال ڈھینگرا کو مکمل قانونی دفاع فراہم کریں گے، جس پر سر ولیم ہٹ کرزن وائلی نامی برطانوی ہندوستانی فوجی افسر کے قتل کا الزام تھا۔

فرانسیسی فرار (The French Escapade)

واپس ہندوستان میں، ساور کر کے بھائی گنیش نے 'انڈین کونسلز ایکٹ 1909' (منٹو-مورلے ریفارمز) کے خلاف ایک احتجاج منظم کیا تھا۔ احتجاج کے بعد برطانوی پولیس نے دعویٰ کیا کہ ونائک ساور کر نے اس جرم کی منصوبہ بندی کی تھی اور اس لیے ان کے خلاف گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا تھا۔ گرفتاری سے بچنے کے لیے، ساور کر پیرس فرار ہو گئے، جہاں انہوں نے بھیکائی جی کاما کی رہائش گاہ پر پناہ لی۔ تاہم، انہیں 13 مارچ 1910 کو برطانوی پولیس نے گرفتار کر لیا، جس نے فرانسیسی حکومت کو ناراض کر دیا کیونکہ برطانوی حکام نے ساور کر کو پیرس سے گرفتار کرنے کے لیے مناسب قانونی کارروائی شروع نہیں کی تھی۔



1911 میں، بین الاقوامی ثالثی کی مستقل عدالت، جو برطانوی حکام اور فرانسیسی حکومت کے درمیان تنازعہ کو نمٹا رہی تھی، نے اپنا فیصلہ سنایا۔ ساور کر کے خلاف فیصلہ آیا، اور انہیں بمبئی واپس بھیج دیا گیا، جہاں انہیں 50 سال قید کی سزا سنائی گئی۔ 4 جولائی 1911 کو انہیں جزائر انڈمان اور نکوبار لے جایا گیا جہاں انہیں بدنام زمانہ سیلولر جیل (کالا پانی) میں بند کر دیا گیا۔ اگرچہ اسے اکثر بدسلوکی اور اذیت کا سامنا کرنا پڑا، ساور کر نے جیل میں اپنے وقت کا استعمال اپنے کچھ ساتھی قیدیوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا۔ انہوں نے حکومت سے جیل میں ایک بنیادی لائبریری شروع کرنے کی اجازت بھی حاصل کی۔

5.3 اہم شخصیت اور واقعات (Key Figures and Events)

ونائک کے ابتدائی سالوں کے دوران کئی اہم شخصیات اور واقعات نے ان کے سیاسی افکار اور اعمال پر گہرا اثر ڈالا۔ سب سے نمایاں بال گنگادھر تلک کا اثر تھا۔ "ہندوستانی بدامنی کا باپ" کے طور پر جانا جاتا ہے، تلک کی شعلہ انگیز تقریروں اور تحریروں نے فوری طور پر خود مختاری کا مطالبہ

کیااور نوجوان قوم پرستوں کی ایک نسل کو متحرک کیا۔ عوام کو متحرک کرنے کے لیے ثقافتی علامتوں اور تہواروں کے استعمال پر تلک کے زور نے ونائک پر ایک دیرپا تاثر چھوڑا، جو بعد میں اپنی انقلابی سرگرمیوں میں اسی طرح کے حربے استعمال کریں گے۔

ایک اور بڑا اثر سودیشی تحریک کا تھا، جس نے برطانوی سامان کے بائیکاٹ اور مقامی صنعتوں کی بحالی کی وکالت کی۔ یہ تحریک، جس نے 1900 کی دہائی کے اوائل میں زور پکڑا، 1905 میں انگریزوں کے ذریعے بنگال کی تقسیم کا براہ راست ردعمل تھا۔ سودیشی تحریک کی اقتصادی خود انحصاری کی کال اور ہندوستانی شناخت پر اس کا زور ونائک کے ساتھ گہرا گونج اٹھا، جس نے اس میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ اپنے کالج کے زمانے میں بائیکاٹ اور احتجاج جیسی تحریکوں میں حصہ لیا۔

لندن میں اپنے وقت کے دوران، ونائک کے یورپی انقلابی ادب اور سیاسی فکر سے روشناس ہونے نے ان کے نظریاتی افق کو مزید وسیع کیا۔ اس نے اطالوی انقلابی جوزپے مازینی کے کاموں کا مطالعہ کیا، اور مازینی کی قوم پرستی اور جمہوریہ پرستی کی وکالت سے متاثر ہوا۔ ونائک نے مازنی کی سوانح عمری کا مراٹھی میں ترجمہ کیا، اس امید میں کہ وہ اپنے ہم وطنوں کو آزادی اور قومی تعمیر کے مزنی کے نظریات سے متاثر کریں۔

سیاسی خیالات کی تشکیل کے واقعات (Events Shaping Political Thought)

انگریزوں کے ذریعہ 1905 میں بنگال کی تقسیم ایک اہم واقعہ تھا جس نے ونائک کے انقلابی جوش کو ہوا دی۔ تقسیم، جسے تقسیم اور حکمرانی کی حکمت عملی کے طور پر سمجھا جاتا تھا، نے پورے ہندوستان میں بڑے پیمانے پر احتجاج اور قوم پرست سرگرمیوں میں اضافہ کیا۔ ونائک کی مظاہروں میں سرگرم شمولیت اور اس عرصے کے دوران سودیشی تحریک میں ان کی شرکت نے ایک طالب علم کارکن سے ایک پرعزم انقلابی کی طرف ان کی تبدیلی کو نشان زد کیا۔

ایک اور اہم واقعہ ونائک کے قریبی ساتھی مدن لال ڈھینگرا کی گرفتاری اور پھانسی تھی جو کہ 1909 میں ایک برطانوی اہلکار سر کرزن وائلی کے قتل کے الزام میں تھی۔ ونائک کے لندن کے قیام کے دوران کے بنیادی کام، "ہندوستانی آزادی کی پہلی جنگ" کی اشاعت بھی دیکھی، جس نے 1857 کی بغاوت پر قوم پرستانہ نقطہ نظر فراہم کیا۔ اس کتاب نے بغاوت کی برطانوی تصویر کشی کو محض بغاوت کے طور پر چیلنج کیا اور اس کے بجائے اسے آزادی کے لیے ایک مربوط جنگ کے طور پر پیش کیا۔ اس کتاب کی اشاعت ایک جرات مندانہ اور منحرف عمل تھا، جو ونائک کے ہندوستان کی تاریخ کو قوم پرست نقطہ نظر سے دوبارہ لکھنے کے عزم کی عکاسی کرتا ہے۔

5.4 وینائک دامودر ساورکر کے کلیدی خیالات (Key Ideas of V.D. Savarkar)

وینائک دامودر ساورکر (1883-1966) ایک ممتاز آزادی پسند، نظریہ ساز اور مصنف تھے، جنہوں نے جدید ہندوستان کے سیاسی منظر نامے کو خاص طور پر اپنے خیالات سے متاثر کیا۔ ان کے نظریات نے ہندوستان کی سیاست میں ایک خاص اثر چھوڑا، خاص طور پر ہندو

قومیت اور آزادی کے حوالے سے۔ ساور کر کے خیالات میں سب سے زیادہ نمایاں "ہندوتو" کا نظریہ ہے، جس نے ہندوستان کی سیاسی اور ثقافتی شناخت پر گہرا اثر ڈالا۔ ان کے خیالات نہ صرف آزادی کی جدوجہد کے حوالے سے اہم ہیں بلکہ ہندوستانی شناخت، تاریخ اور سماجی مسائل پر بھی ان کا گہرا اثر رہا۔

1. ہندوتو: ہندو قومیت کا نظریہ (Hindutva: The Ideology of Hindu Nationalism)

ساور کر کا سب سے اہم اور مشہور نظریہ "ہندوتو" ہے، جسے انہوں نے 1923 میں اپنی کتاب ہندوتو: کون ہے ہندو؟ میں پیش کیا۔ ہندوتوا ایک سیاسی اور ثقافتی نظریہ ہے جس کے مطابق ہندوستان کو ایک ہندو قوم کے طور پر تعریف کرنا چاہیے، جہاں ہندو ثقافت، روایات اور قدریں قومی شناخت کی بنیاد ہوں۔ ساور کر نے ہندوتو کو صرف ہندو مذہب سے نہیں بلکہ ہندو تہذیب، تاریخ اور مشترکہ ثقافت سے جوڑا۔ ساور کر کے مطابق، ہندو کی تعریف صرف وہ نہیں ہیں جو ہندو مذہب کی پیروی کرتے ہیں، بلکہ وہ بھی جو ہندوستان کو اپنی مادری سرزمین سمجھتے ہیں اور ہندو ثقافت کو اپنا حصہ مانتے ہیں۔ اس میں ہندو، سکھ، بدھ مت اور جین مذہب کے پیروکار شامل ہیں، لیکن مسلمانوں اور عیسائیوں کو اس ثقافتی تہذیب کا حصہ نہیں سمجھا گیا کیونکہ ان کے مطابق یہ مذہب ہندوستان سے باہر سے آئے تھے۔ اس نظریہ کی بنیاد پر، ساور کر نے ہندوستان کی قومیت کو ہندو ثقافت اور شناخت کے مطابق تشکیل دینے کی تجویز دی۔

2. برطانوی سامراج کے خلاف مزاحمت اور انقلابی قومی نظریہ (Resistance against British Imperialism and a Revolutionary National Ideology)

ساور کر برطانوی سامراج کے شدید مخالف تھے اور ان کی آزادی کے لئے جدوجہد میں ایک انقلابی قوم پرست کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ نوجوانی میں ساور کر نے انقلابی قوم پرستی کو اپنایا اور برطانوی حکمرانی کے خلاف فعال مزاحمت کی۔ 1909 میں ان پر برطانوی افسر کو قتل کرنے کی سازش میں ملوث ہونے کا الزام عائد کیا گیا، جس کے نتیجے میں انہیں قید کر لیا گیا اور انہیں زندگی بھر کی سزا سنائی گئی، جسے انہوں نے انڈمان کے سیلولر جیل میں گزارا۔ اپنی قید کے دوران، ساور کر نے پہلی جنگ آزادی (1857) کو دوبارہ سے تاریخ میں اہمیت دی اور اسے ہندوستان کی آزادی کی پہلی جنگ کے طور پر پیش کیا۔ اس کتاب میں ساور کر نے انگریزوں کے نقطہ نظر کو چیلنج کیا اور 1857 کے انقلاب کو ایک ہندوستانی بغاوت کے بجائے ایک قومی آزادی کی تحریک کے طور پر تسلیم کیا۔

ساور کر کے مطابق، ہندوستان کی آزادی صرف غیر تشویش یا غیر پرامن طریقوں سے حاصل نہیں کی جا سکتی تھی، بلکہ اس کے لئے انقلابی طاقت اور تشویش کی ضرورت تھی۔ وہ غیر تشویشیت (غیر تشویشیت) رہنماؤں جیسے مہاتما گاندھی کے طریقہ کار کے مخالف تھے اور انہوں نے انقلابی جدوجہد کے ذریعے آزادی کے حصول کو ترجیح دی۔

3. خوداعتمادی، قومیت اور ریاست کا کردار (Self-Confidence, Nationalism, and the Role of the State)

ساور کر نے ہندوستانی قوم کے لئے خوداعتمادی اور قومی فخر کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ ان کے مطابق ہندوستانی قوم کو اپنی ثقافت، تاریخ اور روایات پر فخر ہونا چاہیے اور اس کے لئے انہیں اپنی فکری غلامی اور ذہنی طور پر انگریزوں سے آزاد ہونا ضروری تھا۔ ساور کر کے لئے سیاسی آزادی صرف بیرونی غلامی سے آزادی نہیں تھی، بلکہ یہ ایک ذہنی اور ثقافتی آزادی کی بھی ضرورت تھی، تاکہ ہندوستانی قوم اپنی اصل تہذیب اور قومی شناخت کو دوبارہ حاصل کر سکے۔ ساور کر نے قومی ریاست کے کردار کو بھی اہم سمجھا۔ ان کے مطابق ریاست کا مقصد ہندو قوم کی حفاظت اور ترقی کے لئے کام کرنا تھا، اور انہیں یہ یقین تھا کہ ہندوستان میں ایک ہندو قوم پرست ریاست کی ضرورت ہے، جو ہندوؤں کی ثقافتی، مذہبی اور سماجی اقدار کو فروغ دے۔

4. ہندوستانی تاریخ کا از سر نو جائزہ (Reinterpretation of Indian History)

ساور کر نے ہندوستان کی تاریخ کو دوبارہ سے پیش کیا اور اسے برطانوی نقطہ نظر سے باہر نکال کر ایک آزاد ہندوستان کی تاریخ کے طور پر پیش کیا۔ انہوں نے ہندوستان کی قدیم تاریخ کو عظمت اور طاقت کے نشان کے طور پر بیان کیا اور ان کے مطابق، ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ غیر ملکی حکمرانی کے خلاف مزاحمت کی ایک بھرپور روایت رہی ہے۔ ساور کر نے خاص طور پر اسلامی حملوں کو تنقید کا نشانہ بنایا اور انہیں ہندو تہذیب کی تباہی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ ان کے مطابق، مسلمان اور عیسائی ہندوستانی تہذیب کے غیر ملکی اثرات تھے اور ان کے حوالے سے ساور کر کا نقطہ نظر ہمیشہ متنازعہ رہا۔

5. سماجی مسائل اور ذات کے نظام پر خیالات (Views on Social Issues and the Caste System)

ساور کر نے ہندو سماج کے اندر موجود ذات پات کے نظام پر بھی بات کی۔ اگرچہ وہ ذات پات کے نظام کے مکمل خاتمے کے حامی نہیں تھے، انہوں نے برابری کے اصولوں کو فروغ دینے کی ضرورت پر زور دیا۔ ساور کر نے خاص طور پر چھوٹے طبقات کی حالت زار کو بہتر بنانے کی ضرورت محسوس کی اور چھوت چھات کے خلاف جدوجہد کی حمایت کی۔ تاہم، ان کی اصلاحات کا دائرہ اس بات سے محدود تھا کہ ہندو معاشرتی ڈھانچے کو مکمل طور پر بدلنا نہیں بلکہ اس میں چھوٹے پیمانے پر اصلاحات کی ضرورت تھی۔

وینایک دامودر ساور کر ایک پیچیدہ اور متنازعہ شخصیت تھے جن کے نظریات نے ہندوستانی سیاست پر گہرا اثر چھوڑا۔ ان کی ہندوتو کی نظریہ نے ہندو قومیت کی بنیاد رکھی، اور ان کے انقلابی خیالات نے ہندوستانی قوم کے آزادی کے لئے ایک متبادل راستہ فراہم کیا۔ تاہم، ان کے خیالات

میں اکثر تقسیم اور اختلافات پیدا ہوئے، خاص طور پر ان کی مذہبی اقلیتوں کے بارے میں رائے اور ذات پات کے نظام پر ان کی موقف پر۔ ساور کر کا نظریہ آج بھی ہندوستان میں قومی شناخت، ثقافتی تنوع اور مذہبی ہم آہنگی کے بارے میں بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔

5.4 ساور کر انقلابی سر گرمیاں(Savarkar Revolutionary activities)

ابھینو بھارت سوسائٹی کی تشکیل(Formation of Abhinav Bharat Society)

1904 میں، جب وہ پونے کے فرگوسن کالج میں طالب علم تھے، ویر ساور کر نے ابھینو بھارت سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔ یہ انقلابی تنظیم Giuseppe Mazzini کی نوجوان اٹلی تحریک سے متاثر تھی، جس کا مقصد اٹلی کو جمہوریہ اور قوم پرستی کے ذریعے متحد کرنا تھا۔ ساور کر کا مقصد بھی ایسا ہی تھا: برطانوی راج سے آزاد ایک آزاد، متحدہ ہندوستان کا قیام۔

مقاصد اور سر گرمیاں(Objective and Activities)

ابھینو بھارت سوسائٹی کا بنیادی مقصد برطانوی سلطنت کے خلاف مسلح مزاحمت کو فروغ دینا تھا۔ ساور کر کا خیال تھا کہ برطانوی استعمار کی جابرانہ نوعیت کے پیش نظر پرامن ذرائع سے آزادی حاصل کرنا غیر حقیقی ہے۔ لہٰذا، معاشرے نے نوجوان انقلابیوں کی تربیت، قوم پرست لٹریچر پھیلانے، اور برطانوی حکام کے خلاف بغاوت کی کارروائیوں کی منصوبہ بندی پر توجہ دی۔

ابھینو بھارت کے ارکان کو ہتھیاروں اور دھماکہ خیز مواد کے استعمال کی تربیت دی گئی اور انہیں بے خوفی اور قربانی کا جذبہ پیدا کرنے کی ترغیب دی گئی۔ سوسائٹی کی سرگرمیوں میں خفیہ میٹنگز کا انعقاد، پمفلٹ تقسیم کرنا اور نوجوانوں کو مسلح بغاوت میں شامل ہونے کی ترغیب دینا شامل تھا۔ ابھینو بھارت کی طرف سے ترتیب دی گئی سب سے قابل ذکر کارروائیوں میں سے ایک اے ایم ٹی جیکسن کا قتل تھا۔ جیکسن، ناسک کے ڈسٹرکٹ کلکٹر، 1909 میں۔ یہ عمل سوسائٹی کے ایک رکن، اننت لکشمن کنہرے نے انجام دیا تھا، اور اس نے برطانوی حکام کے خلاف براہ راست کارروائی کرنے کے لیے سوسائٹی کے عزم کو اجاگر کیا۔

لندن میں سر گرمیاں(Activities in London)

1906 میں، ساور کر کو لندن میں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسکالرشپ ملا، یہ اقدام ان کی انقلابی سرگرمیوں کو نمایاں طور پر وسعت دے گا۔ اس نے بیرسٹر بننے کے ارادے سے، لندن کے چار انز آف کورٹ میں سے ایک گرے ان میں داخلہ لیا۔ تاہم، ان کی بنیادی توجہ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد پر رہی۔

انڈیاہاؤس میں شرکت(Participation in India House)

ساور کر تیزی سے لندن کے انڈیاہاؤس میں مرکزی شخصیت بن گئے، جو شمالی لندن میں ہندوستانی طلباء کے لیے ایک ہاسٹل ہے جس نے سیاسی سرگرمیوں کے لیے ایک مرکز کے طور پر بھی کام کیا۔ انڈیاہاؤس کی بنیاد شیام جی کرشنا ورما نے رکھی تھی، جو ایک ممتاز قوم پرست اور ہندوستانی خود مختاری کے حامی تھے۔ اس نے ہندوستانی طلباء کے ایک متنوع گروپ کو اپنی طرف متوجہ کیا جو آزادی کے بارے میں پرجوش تھے اور انقلابی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لیے تیار تھے۔

انڈیاہاؤس میں، ساور کر نے ہندوستانی طلباء میں قوم پرستانہ جذبات کو فروغ دینے کے مقصد سے میٹنگوں، مباحثوں اور لیکچروں کو منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے برطانوی سامراج کی اصل نوعیت کو سمجھنے کی اہمیت پر زور دیا اور اپنے ساتھیوں کو آزادی کی جدوجہد میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ ساور کر نے انقلابی خیالات اور حکمت عملیوں کے تبادلے میں بھی سہولت فراہم کی، جس سے انڈیاہاؤس کو بنیاد پرست سوچ کی افزائش گاہ بنا۔

5.5 سیاسی نظریہ اور شراکت (Political Ideology and Contributions)

ہندوتوا: ایک گہری تفہیم(Hindutva a Deeper Understanding)

ہندوتوا، جس کا مطلب ہے "Hindu-ness" یا "Hinduness"، ایک سیاسی نظریہ ہے جو ہندوستان کو بنیادی طور پر ثقافتی اور قومی طور پر ایک ہندو قوم کے طور پر بیان کرتا ہے۔ سب سے پہلے ونائک دامودر ساور کر نے اپنے 1923 کے پمفلٹ ہندوتوا میں بیان کیا: ہندو کون ہے؟، یہ اصطلاح برسوں کے دوران ایک اہم سیاسی اور ثقافتی تصور میں تبدیل ہوئی ہے، خاص طور پر جدید ہندوستانی سیاست میں۔ ہندوتوا کا نظریہ ہندومت کے مذہبی طریقوں اور تعلیمات سے بالاتر ہے۔ یہ ہندوستان کے سیاسی وژن کو فروغ دینے کے بارے میں زیادہ ہے جو ہندو ثقافت، اقدار اور روایات کے ساتھ قومی شناخت کے بنیادی حصے کے طور پر ہم آہنگ ہو۔

اس کے مرکز میں، ہندوتوا ہندوستان کو "ہندوؤں کی سرزمین" کے طور پر بیان کرتا ہے، جو اس خیال کی وکالت کرتا ہے کہ قوم کی جڑیں ہندو ثقافتی اقدار میں ہونی چاہئیں۔ ہندومت کے برعکس، جو کہ متنوع عقائد اور طریقوں کے ساتھ ایک مذہب ہے، ہندوتوا ایک ثقافتی اور سیاسی نظریہ ہے۔ ساور کر کے بنیادی متن نے استدلال کیا کہ ہندو شناخت صرف مذہبی عمل پر نہیں بلکہ مشترکہ تہذیب پر مبنی ہے، جس میں مشترکہ رسم و رواج، تاریخ اور ثقافت شامل ہے۔ لہذا، ہندوتوا، ایک قومی شناخت بنانے کی کوشش ہے جو ہندو تہذیب کے ساتھ ہم آہنگ ہو، جس میں ہندو ثقافتی ورثے میں اتحاد، طاقت اور فخر پر زور دیا جائے۔

ہندوتوا میں: ہندو کون ہے؟، ساور کر نے "ہندو" کی ایک وسیع تعریف فراہم کی، اسے صرف ان لوگوں تک محدود نہیں رکھا جو ہندو مذہب کو مانتے ہیں بلکہ اسے ہر اس شخص تک پھیلاتے ہیں جو ہندوستان کو اپنی مادر وطن سمجھتا ہے اور ہندوستانی تہذیب سے پیدا ہونے والی ثقافت اور روایات کی پیروی کرتا ہے۔ اس میں نہ صرف ہندو بلکہ بدھ، جین اور سکھ بھی شامل تھے، جو ہندوتوا کے مطابق مشترکہ تاریخی، ثقافتی اور تہذیبی پس منظر رکھتے ہیں۔ تاہم، جب مسلمانوں اور عیسائیوں کی بات آتی ہے تو ہندوتوا بھی ایک لکیر کھینچتا ہے، کیونکہ دونوں مذاہب کو ہندوستان سے باہر سے متعارف کرایا گیا تھا اور اس نظریے کے مطابق، غیر ملکی اثرات کے طور پر دیکھا جاتا ہے جو ایک جیسی تہذیبی جڑیں نہیں رکھتے۔ اس طرح، ہندوتوا بنیادی طور پر ہندوؤں کے لیے ایک قوم کے طور پر ہندوستان کے تصور کی وکالت کرتا ہے، جس کی وجہ سے مذہبی اقلیتوں، خاص طور پر مسلمانوں، عیسائیوں اور دیگر لوگوں کے ساتھ تناؤ پیدا ہوا ہے جو ہندو ثقافت کے ساتھ شناخت نہیں رکھتے ہیں۔

ہندوتوا کے فروغ کا تعلق راشٹریہ سویم سیوک سنگھ (آر ایس ایس) کے عروج سے ہے، جو کہ 1925 میں قائم کی گئی جو ایک ہندو قوم پرست تنظیم ہے، جس نے ہندوتوا کو ایک سیاسی تحریک کے طور پر ادارہ جاتی شکل دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ آر ایس ایس اور اس سے منسلک تنظیموں نے ہندوؤں کے درمیان اتحاد کی اہمیت، ثقافتی احیا، اور مذہبی اقلیتوں اور غیر ملکی اثرات سے سمجھے جانے والے خطرات کے خلاف مزاحمت پر زور دیا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ، آر ایس ایس نے، بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کے ساتھ، جو اپنے بہت سے نظریاتی عقائد کا اشتراک کرتی ہے، نے ہندوستانی سیاسی منظر نامے میں ہندوتوا کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

جدید دور میں، ہندوتوا ہندوستانی سیاست میں ایک مرکزی موضوع بن گیا ہے، خاص طور پر بی جے پی کے عروج کے ساتھ۔ نریندر مودی جیسی شخصیات کی قیادت میں بی جے پی نے ہندوتوا کے نظریے کو ہندوستانی سیاسی گفتگو میں سامنے لایا ہے۔ ہندو فخر کی اہمیت اور ہندو اقدار کے تحفظ کو اجاگر کرنے والی مہموں کے ذریعے، بی جے پی نے ہندو اکثریتی آبادی میں ایک بڑی پیروی حاصل کی ہے۔ پارٹی کی ہندو قوم پرستی پر توجہ مرکوز کرنے کے ساتھ ساتھ سیکولرازم پر اس کی تنقیدوں نے ہندوستانی سیاست میں پولرائزیشن میں اضافہ کیا ہے، جس کے بہت سے حامی ہندوتوا کو ہندو شناخت کے ایک ضروری دعوے کے طور پر دیکھتے ہیں اور پچھلی حکومتوں کی طرف سے ہندو مفادات کو نظر انداز کیے جانے کے رد عمل کے طور پر دیکھتے ہیں۔

تاہم، ہندوتوا کا سیاسی اطلاق بھی انتہائی متنازعہ رہا ہے۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ اس سے ہندوستان کے سیکولر ڈھانچے کو نقصان پہنچتا ہے اور قوم کے تکثیری تانے بانے کو خطرہ ہے۔ ہندوستان کا آئین مساوات اور مذہبی آزادی کی ضمانت دیتا ہے، اور آزادی کے بعد سے سیکولرازم ایک بنیادی اصول رہا ہے۔ ہندوتوا کے ناقدین کا کہنا ہے کہ ہندوستان کے بارے میں اس کا خارجی نقطہ نظر، جو دوسروں پر ہندو شناخت پر زور دیتا ہے، ہندوستانی جمہوریت کی جامع نوعیت کو مجروح کرتا ہے۔ ان ناقدین کے مطابق ہندوتوا کے فروغ نے فرقہ وارانہ کشیدگی، تشدد اور مذہبی اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے خلاف امتیازی سلوک میں اضافہ کیا ہے۔

ہندوتوا کے عروج نے ہندوستانی شناخت کی نوعیت کے بارے میں بھی بحثیں شروع کر دی ہیں۔ ہندوتوا کے حامیوں کا استدلال ہے کہ یہ ہندوستان کو ایک ہندو قوم کے طور پر ایک مربوط وژن پیش کرتا ہے، جو برطانوی راج کے صدیوں کے دوران استعمار کے اثرات اور ہندو ثقافتی اقدار کے کمزور ہونے کا مقابلہ کرتا ہے۔ وہ زور دیتے ہیں کہ ہندومت، اپنی بھرپور ثقافتی اور روحانی تاریخ کے ساتھ، ہندوستانی ریاست کی بنیاد ہونی چاہیے۔ اس کے برعکس، مخالفین کا استدلال ہے کہ اس طرح کا نقطہ نظر ان متنوع مذہبی اور ثقافتی شناختوں کو خارج کرتا ہے جو ہندوستان میں طویل عرصے سے ایک ساتھ موجود ہیں اور ہندوستان کی طاقت اس کی تکثیریت اور تنوع میں مضمر ہے۔

ہندوستانی سیاسی فکر پر اثر (Savarkar Impact on Indian Politics)

ساورکر کے ہندوتوا فلسفے نے ہندوستانی سیاسی فکر پر گہرا اثر ڈالا۔ اس نے ہندو قوم پرستی کے لیے ایک فریم ورک فراہم کیا، جس نے کئی سیاسی تحریکوں اور جماعتوں کو متاثر کیا۔

انڈیا ان کے خیالات نے راشٹریہ سویم سیوک سنگھ (آر ایس ایس) اور بعد میں، بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کی بنیاد رکھی، جس نے ہندو مرکوز قومی شناخت کے ان کے وژن کو اپنایا اور اس کی تشہیر کی۔

ثقافتی قوم پرستی پر زور جیسا کہ ساورکر نے بیان کیا، اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی جسے وہ اقلیتوں کی تسکین اور مربوط قومی شناخت کی کمی کے طور پر سمجھتے تھے۔ ان کا نقطہ نظر بہت سے لوگوں کے ساتھ گونجتا تھا جنہوں نے محسوس کیا کہ سیکولرازم کے بارے میں انڈین نیشنل کانگریس کا نقطہ نظر ہندو اکثریت کے خدشات کو مناسب طور پر حل نہیں کرتا ہے۔ ساورکر کا ہندوتوا ہم عصر ہندوستانی سیاست میں ایک اہم نظریاتی قوت کے طور پر بدستور قائم ہے، جو قوم پرستی، سیکولرازم، اور ثقافتی شناخت پر بحث کو تشکیل دیتا ہے۔

5.6 قوم پرستی اور ہندو مہاسبھا (Nationalism and Hindu Mahasabha)

جیل میں اپنے وقت کے دوران، ساورکر نے ایک نظریاتی کتابچہ لکھا جس کا نام تھا 'ہندوتوا: ہندو کون ہے؟' 'ہندوتوا' نے بہت سے ہندوؤں کو متاثر کیا کیونکہ اس نے ایک ہندو کو 'بھارت ورشا' (ہندوستان) کے ایک محب وطن اور قابل فخر باشندے کے طور پر بیان کیا۔ اس نے بدھ مت، جین مت، سکھ مت اور ہندومت کو بھی ایک جیسا بیان کیا اور 'اکھنڈ بھارت' (متحدہ ہندوستان یا عظیم تر ہندوستان) کی تخلیق کی حمایت کی۔

اگرچہ ایک خود ساختہ ملحد، ونائک ساورکر نے ہندو کہلانے پر فخر محسوس کیا کیونکہ اس نے اسے ایک سیاسی اور ثقافتی شناخت کے طور پر بیان کیا۔ جب کہ اس نے ہندومت، بدھ مت، جین مت اور سکھ مت کے اتحاد کا مطالبہ کیا، لیکن اس نے ہندوستان میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے

وجود کی حمایت نہیں کی کیونکہ اس نے انہیں ہندوستان میں ایک 'مسفٹ' قرار دیا۔ 6 جنوری 1924 کو ساور کر کو جیل سے رہا کیا گیا، جس کے بعد انہوں نے 'رتنا گیری ہندو سبھا' کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا، جس کا مقصد ہندوؤں کے سماجی اور ثقافتی ورثے کو محفوظ کرنا تھا۔

1937 میں، ونائک ساور کر 'ہندو مہاسبھا' کے صدر بنے۔ اسی وقت کے قریب، محمد علی جناح نے کانگریس کی حکومت کو 'ہندو راج' قرار دیا تھا، جس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پہلے سے بڑھتی ہوئی کشیدگی کو مزید خراب کر دیا تھا۔ ان تنازعات نے لوگوں کو ونائک ساور کر کی ہندو قوم بنانے کی تجویز کو نوٹ کرنے پر مجبور کر دیا، جس نے بہت سے دوسرے ہندو قوم پرستوں میں ان کی مقبولیت میں اضافہ کیا۔ 'ہندو مہاسبھا' کے صدر کے طور پر، ساور کر نے ہندوؤں کو دوسری عالمی جنگ میں انگریزوں کا ساتھ دینے کی ترغیب دی، جس کے نتیجے میں ہندوؤں کو جنگ کی باریکیوں سے واقف ہونے میں مدد ملے گی۔

تنقیدی جائزہ : ساور کر کا نظریہ مذہبی قوم پرستی کو فروغ دیتا ہے جو ہندوستان کے سیکولر اور جمہوری اُصولوں سے مختلف ہے۔ یہ نظریہ اقلیتوں کو حاشیے پر ڈھکیلتا ہے اور ایک متنوع معاشرے میں تقسیم اور عدم رواداری کو فروغ دینے کا سبب بن سکتا ہے۔

5.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد ہم نے:

- ویر ساور کر کے سوانح حیات کی معلومات حاصل کیا۔
- اُس کے اہم شخصیت اور واقعات سے رُوبرو ہوئے۔
- ساور کر کے کلیدی خیالات سے واقف ہوئے۔
- ساور کر کے انقلابی سرگرمیوں کو سمجھا۔
- ساور کر کے سیاسی نظریہ اور سیاسی شراکت داری کی سمجھ حاصل کیا۔
- قوم پرستی اور ہندو مہاسبھا کے خیلات سے روشناس ہوئے۔

5.8 کلیدی الفاظ (Key words)

1۔ قوم پرستی : قوم پرستی ایک نظریہ ہے جس کا اظہار لوگ اپنے ملک سے عقیدت اور وفاداری کرتے ہیں جو دوسرے گروہوں کی ذمہ داریوں پر فوقیت رکھتا ہے۔

2۔ مترامیلہ : نوجونوں کا ایک گروپ جس کو ساور کر نے انقلابی سرگرمی کے لیئے منظم کیا۔

3۔ہندوتوا : ایک نظریہ یا تحریک جو ہندوستان میں ہندوؤں اور ہندوازم کی بالادستی قائم کرنا چاہتی ہے۔

5.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

5.9.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات (Objective Answer Type of Questions)

1۔ نظریہ "ہندوتوا" کو ان میں سے کس نے پیش کیا؟

(a)سوامی وی وے کانند (b)وی ڈی ساورکر (c)بال گنگادھر تلک (d)ان میں سے کوئی نہیں

2۔'انڈیا ہاؤس' کس ملک میں تھا؟

(a)برطانیہ (b)روس (c)جاپان (d)فرانس

3۔راشٹریہ سویم سیوک سنگھ (آرایس ایس) کب قائم کی گئی؟

1920(a) 1922(b) 1924(c) 1925(d)

4۔ویر ساورکر نے 'ابھینو بھارت سوسائٹی' کی بنیاد کس سال رکھی؟

1902(a) 1903(b) 1904(c) 1905(d)

5۔کس سال ونائک ساورکر 'ہندو مہاسبھا' کے صدر بنے؟

1935 (a) 1936 (b) 1937(c) 1938 (d)

6۔جنگ آزادی کے شروعاتی دور میں ساورکر کو بھارت کے کس جیل میں قید کر رکھا گیا تھا؟

(a)سیلولر جیل (b)یرودا جیل (c)ناسک جیل (d)پونے جیل

7۔انگریزوں نے بنگال کو کس سال تقسیم کیا تھا؟

1903 (a) 1904 (b) 1905 (c) 1906(d)

8۔ ونائک دامودر ساورکر کی پیدائش کب ہوئی تھی؟

28(a)مئی1880 28(b)مئی1881 28(c)مئی1882 28 (d) مئی1883

9۔ساورکر نے نوجوانوں کے ایک گروپ کو منظم کیا اور اسے نام دیا؟

(a)مترا میلا (b)رام میلا (c)کرشن میلا (d)ان میں سے کوئی نہیں

10۔1857 کے بعاوت ہند کو کس نے "ہندوستانی آزادی کی پہلی جنگ" قرار دیا؟

(a)لالہ لاجپت رائے (b)بال گنگادھر تلک (c)بھگت سنگھ (d)وینائک دامودر ساورکر

5.9.2 مختصر سوالات کے حامل جوابات (Short Answer Type of Questions)

1 ویر ساور کر کے ہندوتو فلسفہ پر غور و فکر کیجئے۔

2 ہندوستانی سیاسی فکر پر ساور کر کے اثرات کو بتائے۔

3 ساور کر کی بچپن اور ابتدائی زندگی پر ایک نوٹ لکھئے۔

4 جان لاک انفرادیت پسند تھا۔اپنے خیالات سے واضح کیجئے؟

5 ویر ساور کر اور ہندو مہاسبھا کے تعلقات کا جائیزہ لیجئے۔

5.9.3 مختصر سوالات کے حامل جوابات (Long Answer Type of Questions)

1 ویر ساور کر حالات زندگی پر روشنی ڈالیئے۔

2 ساور کر کی انقلابی سرگرمیاں کی وضاحت کیجئے۔

3 ویر ساور کر کے انقلابی سرگرمیاں پر ایک مضمون لکھئے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

1۔	(b)	2۔	(a)	3۔	(d)	4۔	(c)	5۔	(c)
6۔	(a)	7۔	(c)	8۔	(d)	9۔	(a)	10۔	(d)

اکائی6۔مہاتماگاندھی

(Mahatma Gandhi)

اکائی کی اجزا

6.1 تمہید

6.2 مقاصد

6.3 مہاتماگاندھی کی سوانح حیات

6.4 'ستیہ گرہ'

6.5 ذرائع اور مقاصد

6.6 'اہنسا' اور سچائی

6.7 'سوراج'

6.8 'سرودیہ'

6.9 اکتسابی نتائج

6.10 کلیدی الفاظ

6.11 نمونہ امتحانی سوالات

6.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

6.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

6.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

6.1 تمہید(Introduction)

مہاتما گاندھی 19 ویں صدی کی ایسی شخصیت ہے جو کسی تعارف کی محتاج نہیں، بھارت ہی نہیں دنیا کے دیگر ممالک بھی ان کے فلسفہ، نظریہ اور تصورات سے استفادہ اٹھاتے ہیں۔ گاندھی جی بھارت کے عظیم تحریک آزادی کے رہنما، سماجی اصلاح کار اور ایک سیاسی مفکر بھی تھے۔ حالانکہ وہ علمی سے زیادہ عملی آدمی تھے اور مفلس عوام کی خدمت کو خدا کی عبادت سمجھتے تھے۔ انھوں نے دنیا کو کچھ قابل قبول فلسفہ دیا جو بھارت ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں آج تک بھی مقبول ہے۔ برطانوی حکومت کے خلاف اُن کی لڑائی اصولوں اور فلسفہ پر مبنی تھی اور اس کا استعمال کر کے ہی گاندھی جی نے بھارت کو آزادی دلائی۔ حالانکہ برطانوی حکومت کے خلاف ترکی اور روس کے علاوہ اور کئی ممالک نے تشدد اور ہتھیار کا استعمال کیا۔ صرف گاندھی ہی تھے جنہوں نے بھارت کی لڑائی میں ستیہ گرہ، اہنسا، سچائی، سوراج اور سرودیہ کے ذریعہ بھارت کو آزادی دلانے کے ساتھ ساتھ گاؤں اور سماج میں بھی مثبت تبدیلیاں لائی گئیں۔

6.2 مقاصد(Objectives)

- اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد طلبا گاندھی جی کا طریقہ، نظریہ اور فلسفہ سے اچھی طرح واقف ہو جائیں گے۔
- اس اکائی میں گاندھی جی کے کچھ اہم سیاسی نظریہ پر غور و فکر کیا گیا ہے اس سے بھی متعارف ہوں گے۔
- گاندھی جی کی کرشمائی اور اس کے خاص ستیہ گرہ، اہنسا اور سچائی سے بھی طلبا کو روبرو کرایا گیا ہے۔
- کیسے گاندھی جی کے اس نظریہ سے صرف بھارت ہی نہیں دیگر ممالک کو بھی ایک راستہ ملا۔ اس کو بھی طلبا جانیں گے۔
- گاندھی جی نے گاؤں اور سماج میں پھیلی برائیوں کا کیسے اپنے فلسفہ کے ذریعہ مقابلہ کیا وہ بھی اس اکائی میں واضح کیا گیا ہے۔

6.3 مہاتما گاندھی کی سوانح حیات (Life and History of Mahatma Gandhi)

مہاتما گاندھی کا پورا نام موہن داس کرم چند گاندھی تھا۔ ان کی پیدائش 2 اکتوبر 1869 کو گجرات کے پوربندر میں ہوئی تھی۔ ان کے والد پوربندر ریاست کے دیوان تھے اور ان کی والدہ ایک خاتون خانہ اور مذہبی مزاج کی تھیں۔ مہاتما گاندھی کی شادی کستور بابائی سے 12 برس کی عمر میں ہو گئی تھی۔

مہاتما گاندھی کو مہاتما کا نام رابندر ناتھ ٹیگور نے دیا تھا۔ کیوں کہ وہ عام انسان سے کچھ الگ ہٹ کر تھے۔ ان کی سوچ، نظریہ، ذہن میں اور اصول ایک مہاتما کی طرح تھا۔ ان کو لوگ پیار سے باپو بھی کہا کرتے تھے۔ بھارت کو آزادی دلانے میں انھوں نے لامحدود کوشش کی اور اپنے

اصولوں پر چل کر بھارت کو آزادی دلانے میں کامیاب ہوئے۔ ان کے اس لامحدود کوششوں کے عوض میں بھارت نے انھیں بابائے قوم (Father of the Nation) مانا جاتا ہے۔

چونکہ ان کا تعلق ایک خوشحال خاندان سے تھا، اس لیے ان کے ماں باپ نے انہیں 19 برس کی عمر میں بیرسٹر کی پڑھائی کے لیے انگلینڈ بھیج دیا۔ بیرسٹری کی امتحان پاس کرنے کے بعد وہ واپس بھارت لوٹ آئے اور راجکوٹ اور ممبئی میں انھوں نے وکالت شروع کی۔ ممبئی میں رہتے ہوئے ہی انہیں جنوبی افریقہ میں مقیم ایک مسلمان تاجر کے مقدمہ (Businessmen) کی پیروی کی پیش کش کی گئی۔ اس مقصد کے لیے جنوبی افریقہ میں گاندھی جی نے اپنی زندگی کا ایک لمبا عرصہ گزار دیا۔ جنوبی افریقہ سے ہی گاندھی جی کے سیاسی سفر کی شروعات ہوتی ہے اور وہاں انہوں نے سفید فام (Whiteman) حکمران کے ساتھ امتیازی رویہ کے خلاف پرامن اور غیر تشدد (Peaceful and Non-Violent) احتجاجی تحریک چلا کر ستیہ گرہ (Satyagraha) کا ایک کامیاب تجربہ کیا۔ آخر کار انھوں نے وہاں بسے ہندوستانیوں کو ان کا حق دلایا اور اسی تجربہ نے خود ان میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کیا اور دوسری قوموں کو بھی متاثر کیا۔

جنوبی افریقہ سے اپنے مشن کو انجام دینے کے بعد وہ 1914 میں ہندوستان واپس آ گئے۔ گاندھی جی کی جنوبی افریقہ میں ملی کامیابی کی کہانی ہندوستانیوں تک پہنچ چکی تھی۔ ابتدا میں ہندوستان کے بعد انہوں نے کسی بھی تحریک اور سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیا بلکہ دو برس تک ہندوستان کے ہر علاقہ، گاؤں اور قصبہ کا دوراہ کیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ بھارت میں کوئی بھی تحریک شروع کرنے سے پہلے یہاں کے سماجی تانا بانا، تمدن، عوام اور علاقہ کی معلومات نہایت ہی ضروری ہے۔

اپنے مشاہدہ اور عوام کے ساتھ متعارف ہونے کے بعد گاندھی جی اپنا پہلا ستیہ گرہ بہار کے چمپارن سے شروع کیا اور اپنے نظریۂ، اہنسا، سچائی اور ستیہ گرہ کے اصولوں پر چل کر چمپارن تحریک کو کامیاب بنایا اور دیکھتے ہی دیکھتے گاندھی جی نے ہندوستان میں برطانوی حکومت کے خلاف کئی اہم تحریکات کی رہنمائی کی۔ جیسے 1920 کا عدم تعاون تحریک (Non-Cooperation Movement) سے لے کر سول نافرمانی تحریک (Civil Disobedience Movement) اور آخر میں 1942 کی بھارت چھوڑو تحریک بھی شامل ہے۔ خاص بات یہ تھی کہ گاندھی جی نے اپنی کسی بھی تحریک میں اپنے بتائے ہوئے اصولوں سے سمجھوتا نہیں کیا۔ یہاں تک کہ 1922 کے سول نافرمانی کے دوران چوری چورا سے تشدد کی خبر آئی تو گاندھی جی نے سول نافرمانی تحریک واپس لے لی۔ ان کا خیال تھا کہ اہنسا اور ستیہ گرہ کا استعمال کر کے بڑے سے بڑے طاقتور مخالفین کے دلوں کو تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ ان کا یہ پختہ یقین اس لیے بھی تھا کہا انہوں نے اس فلسفے کا تجربہ جنوبی افریقہ میں قیام کے دوران کے اتھا اور کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ زندگی بھر اپنے اصولوں پر چلتے ہوئے ہندوستان کو آزادی دلانے میں ایک اہم کردار ادا کیا یہاں تک کہ جب ہندوستان اور پاکستان کی تقسیم کی نوبت آئی تو اس کی شدید مخالفت کی اور ہندو مسلم یکجہتی کا نعرہ بلند کرتے رہے۔ تقسیم ہند کے بعد دونوں ملکوں میں زبردست خون ریزی ہوئی، گاندھی جی نے اسے انسانیت کے خلاف قرار دیا۔ دونوں ملکوں سے فرقہ وارانہ

جنون سے بچنے اور اقلیتوں کی حفاظت کی اپیل کی۔ فرقہ وارانہ اتحاد کی کوششوں کی وجہ سے 30 جنوری 1948 کو ایک ہندو انتہا پسند ناتھورام گوڈسے کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔

6.4 ستیہ گرہ (Satyagraha)

'ستیہ گرہ' مہاتما گاندھی کا ایک اہم فلسفہ ہے۔ اور غیر برابری کے خلاف لڑائی کی ایک تکنیک بھی۔ اس غیر تشدد تکنیک کا استعمال گاندھی جی افریقہ میں رہائش کے دوران بخوبی کامیابی کے ساتھ کر چکے تھے۔ اور اس کے ذریعہ وہاں بسے ہندوستانی اور غیر سفید فام طبقہ کو حقوق دلانے میں کامیاب ہوئے۔ اپنی مشہور کتاب 'ہند سوراج (Hind Swaraj, 1910) میں گاندھی جی نے ستیہ گرہ کی تعریف اس طرح کی "A method of Securing Rights by Personal Sufferings)۔ ستیہ گرہ کے معنی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ستیہ گرہ کے معنی ہیں سچائی پر ہمیشہ ڈٹے رہنا۔ اس کو وہ روحانی قوت و محبت سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور یہ ایسا تکنیک ہے جس کی مخالفت کسی ہتھیار سے نہیں بلکہ اپنی روحانی اور ضمیر کی طاقت سے اپنے انا کو چھوڑ کر کی جاتی ہے۔ مختصر طور پر یہ کہ گاندھی جی کے مطابق، ستیہ گرہ ایک ایسا طریقہ کار ہے جہاں پر تشدد اور خود کو اذیت ہونے کے باوجود اپنے مخالفوں کے دلوں کو اس طرح تبدیل کر دینا جس کے نتیجہ میں وہ غیر عادلانہ راستہ کو چھوڑ دے۔

ستیہ گراہی کو تشدد، جسمانی طاقت یا دغا و فریب کے استعمال کے بجائے محبت، سچائی اور اخلاقی حربہ سے کام لینا چاہے۔ اسے نفرت کا جواب محبت اور جھوٹ کا سچ، تشدد کا سلبی مزاحمت اور قربانی سے دینا چاہے۔ حقیقی طاقت دراصل روحانی طاقت (Soul force) ہوتی ہے جسے بڑی سے بڑی مادی طاقت بھی شکست نہیں دے سکتی ہے۔

گاندھی جی کے مطابق، ستیہ گراہی کو کبھی شکست نہیں ہو سکتی کیوں کہ سچائی اور صداقت کبھی مٹنے والی نہیں۔ اور ستیہ گراہی سچائی اور صداقت کی زندہ مثال ہے۔ ستیہ گراہی کی اگر جان بھی جاتی رہے تو بھی اس کی جدوجہد ختم نہیں ہوتی ہے۔ جان دینے کہ بعد ستیہ گراہی اپنے مخالف (Opponents) کو اس کا موقع دیتا ہے کہ وہ اس کے موقف کی سچائی کا قائل ہو جائے اور اس طرح سچائی کے لیے جان کی قربانی بڑے بڑے مخالف کو جھکنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

گاندھی جی نے ستیہ گراہی فلسفہ کو اس طرح بھی سمجھانے کی کوشش کی کہ ستیہ گرہ کا اصول کوئی نیا اصول نہیں ہے بلکہ سیاسی زندگی میں، گھریلو زندگی کے اصولوں کی توسیع کا نام ہے۔ وہ آگے لکھتے ہیں جس طرح گھریلو زندگی کے جھگڑے، محبت، صلح اور امن سے طئے پاتے ہیں اور اگر گھر کے کسی رکن کی بات نہیں مانی جاتی ہے تو اس کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ اس کا انتقام لیں اور گھر کے دیگر ممبران سے مستقل ناراض رہیں۔ سیاست میں جب یہی اصول استعمال کیا جاتا ہے تو اسے ہی ستیہ گرہ کہا جاتا ہے۔

بھیکو پاریکھ (1997) نے ویسے تین میدان کی نشاندہی کی اور کہا کہ جب گاندھی جی روحانی یا سچائی کی طاقت کا استعمال کیا وہ مختلف ہیں:

i. نسلی تفریق (Racial Discrimination) جنوبی افریقہ میں جہاں انھیں کامیابی بھی ملی۔

ii. ہندوستان میں برطانوی حکومت کے خلاف۔ ہندوستان میں گاندھی جی وقت در وقت کئی تحریک چلاتے اور ستیہ گرہ کا استعمال کر بھارت کے عوام کو مستفید کیا۔

iii. ناپسندیدہ سماجی رواج۔ جسے چھوا چھوت۔ مذہبی تفریق، اور نفرت جو ہندوستان میں موجود تھی، اس کے خاتمہ کے لیے بھی گاندھی جی نے اپنی ستیہ گرہ تکنیک کا استعمال کیا۔

اس لیے گاندھی جی نے نہ صرف ستیہ گرہ جیسے فلسفہ کی بات کی بلکہ انھوں نے روزمرہ کی زندگی میں اس کا عملی طور پر استعمال کر کے بھی دکھایا۔

گاندھی جی کے یہاں ستیہ گرہ ایک دائمی اصول ہے کیوں کہ اس پر گوتم بدھ سے لے کر عیسیٰ مسیح نے عمل کیا اور عصری دور کے مفکرین ٹالسٹائی (Tolstoy)، رسکن اور تھورو بھی اس پر کاربند رہے ہیں۔ گاندھی جی کے فلسفہ پر ان تینوں مفکرین کی گہری چھاپ رہی ہے۔ لیکن یہ لوگ لڑائی کے خلاف مزحمت کو فقط ذاتی زندگی میں روا رکھتے تھے۔ اس کے برعکس گاندھی جی پر امن اور سلبی مزاحمت کے اصول کو سیاسی میدان میں بھی استعمال کرنے کی وکالت کرتے تھے۔ اور ملک کے سماجی اور اقتصادی مسائل کے حل کے لیے بھی اس کو آزمایا۔ گاندھی جی تحریر کرتے ہیں کہ انسان کو ستیہ گرہ اس وقت کرنا چاہیے جب کہ وہ اپنی ذاتی زندگی میں اس عمل کا پیروکار رہ چکا ہو۔ ان کے مطابق، اگر کوئی شخص اپنی ذاتی زندگی میں اہنسا یا عدم تشدد (Non-violence) پر عمل نہیں کرتا اور حکومت کے ساتھ کسی مسئلہ کو لے کر عدم تعاون (Non-cooperation) کرتا ہے تو وہ شخص بزدل ہے اور اس کا عدم تعاون وقتی مصلحت کا لفافہ سمجھا جائے گا۔

آخر میں کہہ سکتے ہیں کہ ستیہ گرہ گاندھی جی کا ایک ایسا اوزار تھا جس کا استعمال کر کے بڑے سے بڑے مسائل اور اپنے مخالفوں کے دلوں کو تبدیل کر اس کو سچائی، امن اور انصاف کی راہ پر لایا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ ستیہ گراہی اپنی ذاتی زندگی سے لے کر سیاسی زندگی میں اس تکنیک کا استعمال گاندھی جی کے ذریعہ بتائے ہوئے طریقے پر کر سکے۔

6.5 ذرائع اور مقاصد (Ends and Means)

ذرائع اور مقاصد کا حصول بحث کا موضوع ہے۔ کسی بھی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کون سے ذرائع کیسا ہوں۔ قدیم زمانے سے لے کر جدید فکر کے مفکرین کا خیال ہے کہ کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جائز ذرائع کا ہونا لازمی ہے لیکن کچھ ایسے مفکرین یا دانشور ہے ں جن کا خیال ہے کہ جائز مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کچھ بھی ذرائع استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ جیسے مثال کے طور پر قدیم سیاسی مفکر کوٹلیہ کا حوالہ دیا

جاسکتا ہے۔ اس نے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کئی طریقے بتائے ہیں ۔ شام، دام دنڈ اور بھید (Conciliation, Concession, Coercion and Divide & Rule) اسی کے ذریعہ مملکت کی طاقت کو منظم کیا جاسکتا ہے۔اُسی طرح جدید یوروپ میں نیکولو میکاولی (Nicolo Machiavelli) اپنی کتاب پرنس (Prince) میں لکھتے ہیں کہ حکمراں ناقابل یقین ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں جیسے جھوٹے وعدے کرنا اور لوگوں کے دل اور دماغ میں خوف ڈالنا کیونکہ ایسا کرنے سے وہ لوگوں کو یکجا رکھتے ہیں اور اس سے مملکت کو تحفظ حاصل ہوتا ہے۔مزید یہ کہ چونکہ مملکت جبر سے قائم کی جاتی ہے اور اس کو ہیرا پھیری (Fraud) سے چلایا جاتا ہے۔اس طرح کی بہت سی مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں جس میں اعلی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے غلط یا ناجائز ذرائع کو بھی جائز ٹھہرا دیا گیا۔

حالانکہ گاندھی جی کے ذرائع اور مقاصد کے تصورات کچھ مختلف ہے۔اُن کا یقین تھا کہ کسی مقصد کے حصول کے لیے ذرائع کا سو فیصد جائز ہونا ضروری ہے۔اگر ذرائع ناجائز ہیں تو مقصد بھی ناجائز ہی ہوگا۔وہ یہ مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ اگر کوئی انسان غلط راستے پر چلتا ہے تو وہ کبھی بھی صحیح منزل تک نہیں پہنچ پاتا اور وہ اپنے اس خیال کو لے کر اتنا سخت تھے کہ انھوں نے بڑے سے بڑے یہاں تک کہ بھارت کی آزادی کے حصول کے لے بھی کبھی تشدد، دھوکہ، فریب یا چالبازی سے کام نہیں لیا۔اس لیے جب 1922 میں شہری نافرمانی تحریک کے دوران یوپی کے چوری چورا کے مقام پر تشدد کا ایک بڑا واقعہ پیش آیا تو اس کی وجہ سے گاندھی جی نے شہری نافرمانی تحریک کو واپس لے لیا۔ ملک کی آزادی تشدد کے ذریعہ حاصل نہ کی جائے۔گاندھی جی کسی بھی قیمت پر ناجائز ذرائع کے حامی نہیں رہے۔وہ ہمیشہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ جائز مقصد کے لیے ہمیشہ جائز ذرائع ہی کا استعمال کیا جانا چاہیے۔اس لیے End Justify the means کے نظریہ کو زوردار طریقے سے مسترد کر دیا۔وہ ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ ذرائع ہی سب کچھ ہوتے ہیں۔ جیسے ذرائع ہونگے ویسا مقصد بھی ہوگا۔اس کو وہ بیج اور درخت کے تناظر میں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کے مطابق صرف اچھا بیج ہی اچھا درخت وجود میں لا سکتا ہے۔اسی کو گاندھی جی آگے بڑھ کر 'کرمہ اور پھل' کی مثال پیش کی۔انسان کا اپنے عمل (Action) پر گرفت ہوتی ہے۔جب کہ اس عمل کے نتیجہ (Consequence) پر نہیں ہوتا۔یہ بھگوت گیتا (Bhagwad Gita) کا بھی اہم سبق ہے۔

ذرائع اور مقاصد ایک سکے کے دو پہلو ہیں اور ان کو الگ کرنا ممکن نہیں ہے۔ناجائز ذرائع سے کبھی بھی جائز مقاصد حاصل نہیں کے ے جا سکتے اور اگر ایسا کیا بھی جاتا ہے تو مقاصد آلودہ ہو جاتا ہے۔غلط راستے چلتے ہوئے کبھی بھی صحیح منزل تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ڈر اور جبر سے حاصل حکمرانی عوام کے درمیان محبت اور عزت کے لیے متاثر نہیں کر سکتی اس لیے سوراج (Self-rule) حاصل کرنے کے لیے گاندھی جی نے ستیہ گرہ کا راستہ اختیار کیا۔کیونکہ یہ راستہ بہت معتبر اور پاک ہے، اپنی منزل کی طرح کیوں کہ ستیہ گرہ میں اہنسا شامل ہے جو کہ ایک صحیح راستہ ہے۔اس لیے گاندھی جی کہتے ہیں میرے لیے اہنسا، سوراج سے پہلے ہے۔

مختصر طور پر گاندھی جی کے خیال میں، ناجائز ذرائع کے استعمال سے انسان کی روح پاک نہیں رہ سکتی۔موجودہ دنیا میں جو خلفشار برپا ہے اور اس نت نئی پیچیدگیاں پیدا ہوئی ہیں وہ اس وجہ سے کہ دنیا میں اخلاق اور اخلاقی قدروں کی کوئی بھی اہمیت باقی نہیں رہی۔اس کا سبب یہ ہے کہ

بد قسمتی سے مقاصد کے حصول کے لیے ہر قسم کے ناجائز ذرائع اور حربے کام میں لائے جاتے ہیں۔ انسان کی فلاح اور نجات کے لیے لازمی ہے کہ ذرائع کو پاک اور صاف رکھا جائے۔ تب ہی ہم جائز مقاصد کو حاصل کر پائیں گے۔

6.6 اہنسا اور سچائی (Truth and Non-Violence)

گاندھی جی کے فلسفہ میں سب سے زیادہ زور اہنسا اور سچائی پر دیا جاتا تھا۔ ان دونوں اصولوں کے درمیان اتنا گہرا تعلق تھا کہ دونوں کا الگ سے تصور نہیں کیا جا سکتا۔ سچائی اہنسا کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ چونکہ ان کے نزدیک سچائی ہی خدا ہے (Truth is God) لہٰذا جو لوگ تشدد سے کام لیتے ہیں وہ سچائی سے دور چلے جاتے ہیں۔ اس لیے سچائی یا خدا کو حاصل کرنے کے لیے لازمی ہے کہ انسان اہنسا کے راستے پر چلے اور سچائی کا دامن کسی حال میں بھی نہ چھوڑے۔

اہنسا سے لفظی طور مراد یہ ہے کہ ایک فرد دوسرے جاندار کے لیے تیئں تشدد نہ کرے۔ یہ اہنسا کا منفی معنی ہے۔ وہیں اہنسا کا مثبت معنی یہ ہے کہ انسان سبھی انسانوں سے محبت کرے اور یہ محبت صرف ان لوگوں تک ہی محدود نہیں جو انہیں بھی محبت کرے بلکہ ان لوگوں سے بھی محبت کرنا چاہیے جو اس سے نفرت کرتے ہیں۔ گاندھی جی لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ جو لوگ آپ سے نفرت کریں اور آپ اس سے محبت، واقعی یہ بہت مشکل کام ہے۔ لیکن پھر بھی اگر ہم اس مشکل کام کو کرتے ہیں تو اس کام میں خدا (God) کا رحم و کرم ہونے کی وجہ سے یہ کام آسان ہو جاتا ہے۔

گاندھی جی کے نزدیک اہنسا کے معنی بہت ہی وسیع ہیں۔ صرف کسی کو جسمانی، معاشی، سماجی یا روحانی ہنسا بھی تشدد ہیں بلکہ کسی بھی شخص کے دوسرے شخص کو اپنے قول و فعل اور خیال یا کسی خیال سے بھی نقصان یا دکھ پہنچانا ہے یا اس کا خیال رکھنا تو تشدد کے دائرے میں ہی آتا ہے۔ اہنسا کے پیروکار نہ تو کسی کو جسمانی اذیت یا تکلیف پہنچانا چاہتے اور نہ ہی کسی کے خلاف زبان سے ہی کوئی ایسا لفظ نکالنا چاہتے اور نہ کسی کے بارے میں بُرا خیال رکھتے ہیں، اور کسی کو اپنا مخالف نہیں سمجھتے ہیں۔ گاندھی جی مزید کہتے ہیں کہ اگر کوئی اپنی مادی ضرورت سے زیادہ چیزوں کو حاصل کرتے ہیں تو یہ بھی ایک طرح کا تشدد (Violence) شمار کیا جائے گا کیونکہ اس سے دوسرے شخص کے حق تلفی کے امکان ہیں۔ یہاں تک کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آب و ہوا میں کسی طرح کی آلودگی پھیلانا جس سے کہ دوسرے لوگوں کے صحت پر منفی اثرات پڑتا ہے وہ تشدد کی شکل ہے۔

اہنسا کمزوروں کی صبر گاہ نہیں ہے بلکہ یہ طاقتور کا ہتھیار ہے اور یہ ایک طرح کی اخلاقی طاقت ہے اور یہ طاقت سچائی پر قائم رہنے والوں کے لیے ہے۔ جب کوئی سچے اصلوں و مقاصد کے لیے لڑتا ہے اور سچائی میں گہرا یقین رکھتا ہے تو اسی صورت میں وہ اپنے طاقتور مخالف کے دلوں کو تبدیل کر دیتا ہے۔ اور سچائی کے سامنے جھکنے کو مجبور کر دیتا ہے۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہنسا ایک فن ہے جس میں روحانی طاقت، جسمانی

طاقت پر غلبہ اختیار کرنے میں کامیابی حاصل کرتی ہے۔ اہنسا دراصل تزکیہ نفس کا ایک طریقہ ہے اور اہنسا کے عامل بے شمار اخلاقی طاقت حاصل کرتے اور اس کے ذریعہ جھوٹی طاقت کو شکست دیے سکتے ہیں۔

6.7 سوراج (Swaraj)

گاندھی جی نے سوراج کے تصور کو سب سے پہلے برطانوی حکمرانی کے خلاف استعمال کیا۔ سوراج سے گاندھی کی مراد ہے 'خود کاراج' اس کو انھوں نے وسیع طور پر پیش کیا۔ اس کے تحت لوگوں کو خود مختار اور آزاد خیال بنانا جس سے کہ خود کی حکمرانی کا تصور اور اس پر عمل کرنے کی حوصلہ افزائی ہو۔ لوگوں کو آزادی کا درس دیتے ہوئے گاندھی چاہتے تھے کہ برطانوی حکومت کو مکمل طور پر رد کر دیں۔ لیکن وقت کے ساتھ اس کے معنی میں بھی تبدیلی آتی گئی اور آزادی کے بعد لفظ سوراج میں کو جمہوری سیاسی نظام میں بہتر گورننس (Governance) ،مساوات اور ترقی کو بڑھاوا دینے کے لیے استعمال کیا جانے لگا جس سے خود اس تصور میں تبدیلی آئی اور فروغ بھی ہوا ہے۔

سوراج کو لے کر گاندھی جی کی دلیل ہے کہ اس سے مراد صرف بیرونی حکمرانی سے آزادی نہیں ہے بلکہ یہ ثقافتی اور اخلاقی آزادی کا مفہوم بھی رکھتا ہے۔ اگر ملک سیاسی طور پر آزاد ہے لیکن ثقافتی طور پر دوسرے ملک پر منحصر رہے تو وہ سوراج سے محرومی جیسا ہے۔ سوراج کا یہ مطلب قطعی نہیں ہے وہ دوسروں سے سیکھنے کے دروازے بند کر دیے جائیں بلکہ ضرورت اس بات کے ہے کہ اپنی صلاحیت اور فیصلہ لینے کی اعتماد کی ضرورت ہے۔ گاندھی جی کا خیال ہے کہ سوراج ایک ایسا نظام ہے جس میں سبھی لوگوں کا ملک سے فطری طور پر رابطہ گہرا ہو اور ملک کی تعمیر (Nation Building) میں سبھی لوگ مل کر تعاون کریں۔

گاندھی جی کے سوراج کا تصور ان کے حقیقی جمہوریت کی سوچ کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اس نظام کے تحت صرف عوام کو اپنے نمائندے منتخب کرنے کے بھی حقوق ہی نہیں بلکہ وہ اس قابل ہوں کہ حاکم کے ذریعہ کسی بھی بے حرمتی پر لگام لگائی جا سکے۔ گاندھی جی 'ینگ انڈیا' (Young India) میں لکھتے ہیں کہ اصل سوراج اس وقت تک نہیں آئے گا جب کہ چند لوگ اقتدار پر قابض رہیں۔ اور عوام حاکم کے ذریعہ بے حرمتی کا مخالفت شکار بنیں رہیں۔ ان سے نجات کے بعد ہی سوراج ممکن ہے۔ دوسرے لفظ میں عوام کو سوراج سے متعلق پوری طرح معلومات ہو جائے اور یہ احساس بیدار ہو جائے کہ کیسے کسی حکومت یا حاکم (Authority) کو فائدہ اور نگرانی میں رکھا جا سکتا ہے۔

گاندھی جی خود اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ مجھے صرف اس بات میں دلچسپی نہیں ہے کہ بھارت کو برطانوی حکومت سے آزاد کراؤں بلکہ میرا مقصد رجحان یہ ہے کہ میں بھارت کو کسی بھی طرح کی ناانصافی آزاد کرا سکوں۔ میری ایسی کوئی خواہش نہیں ہے کہ King log for king stork کہ ظالم بادشاہ سے کمزور بادشاہ کا تبادلہ کریں۔ بلکہ سوراج کے تحریک سے میری مراد ہے کہ (Self-Purification) تزکیہ نفس کی عادت ڈالی جائے اور اس کے ذریعہ برائیوں اور ظالم حکمران سے نجات حاصل کی جائے۔

6.8 سرودیہ (Sarvodaya)

سرودیہ کے تصور کو سب سے پہلے مہاتما گاندھی نے پیش کیا۔ یہ سماجی، معاشی، سیاسی، اخلاقی اور روحانی فلاح کا وسیع فلسفہ ہے۔ گاندھی جی کے بعد اس فلسفہ کو آچاریہ وینو بابھاوے (Acharya Binoba Bhave) نے قبول کیا تھا۔ 'سرودیہ' کے معنی ہیں 'سب کی فلاح' یا سب کو آگے بڑھانا یا اُٹھانا (Uplift to all) ۔ سرودیہ تحریک ایک ایسی تحریک ہے جس کا مقصد گاؤں کی تعمیر نو (Reconstruction) اور گاؤں کے لوگوں کو پر امن و مشترکہ طریقوں سے آگے بڑھانا یا ترقی دینا۔ سرودیہ ہم وجودیت اور باہمی محبت پر زور دیتا ہے۔ گاندھی جی نے سرودیہ کے تصور جان رسکن (John Ruskin) کے آن۔ٹو۔دالاسٹ (Unto the Last) سے لیا ہے اور یہ گاندھی کے لیے گاؤں کے لوگوں کی ترقی کا تعمیری فلسفہ بن گیا۔ سرودیہ کے اعلیٰ مثال کے طور پر نافذ کرنے کے لیے وینو بابھاوے نے 'سرودیہ سماج' کی داغ بیل ڈالی۔ سرودیہ کی طرف جۓ پرکاش نارائن بھی مائل ہوئے تھے۔

سرودیہ فلسفہ فرد اور سماج کو سبھی ترقی کے مواقع فراہم کرتا ہے۔

مثالی سرودیہ (Ideals of Sarvodaya)

مثالی سرودیہ عدم تشدد، معاشی نظام قائم کرنے پر سبھی:

a) ملک کی سب سے اہم ملکیت، انسان ہے۔

b) سبھی افراد کو مساوی مواقع فراہم کرنا تاکہ وہ قومی پیداوار (National Production) میں تعاون کر سکیں۔ اس کا مقصد زمین کی مساوی طور پر لوگوں کے درمیان تقسیم بھی ہے۔

c) یہ ٹرسٹی سپ (Trusteeship) کے نظریہ سے بھی جڑا ہوتا ہے اور نجی ملکیت کے خاتمے پر زور دیتا ہے۔

d) آمدنی اور ملکیت کی عدم مساوات کو جتنا ممکن ہو کم کرنا۔

e) صنعت کی لامرکزیت لازمی ہونا چاہئے اور زمین کی تقسیم بھی برابر ہونا۔

f) سرودیہ، منصوبہ بندی کو اہمیت دیتا ہے

گاندھی جی کا سرودیہ فلسفہ، قدیم پران شاستر اور بھارت کے رواج سے بھی متعلق ہے جس کے تحت سب لوگوں کی ترقی مساوی ہونی چاہئے۔ یہ گاندھی جی کے سماجوادی فلسفہ کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اس کا مقصد معاشی اور سماجی طور پر سب کی ترقی ہے، اس فلسفہ کا مرکز، عام انسان ہے۔ یہ

کسی خاص فرد یا گروہ کے لیے نہیں بلکہ سماج میں موجود سبھی فرد اور گروہ کے لیے ہے۔ سرودیہ کا اہم مقصد سماج میں اخلاقی ماحول کو بنانا ہے۔ سچائی، عدم تشدد اور پاکی، سرودیہ کی روح ہے۔ گاندھی جی کے سرودیہ کے کچھ خاص خدوخال ہیں جن سے سرودیہ کے تصور اور بہتر طریقہ روشنی ڈالی جاسکتی ہے:۔

سرودیہ کے خدوخال (Features of Sarvodaya)

a) سماج میں موجود سماجی اور معاشی برائیوں کو روکنے کا ایک مضبوط نظریہ ہے سرودیہ۔

b) یہ ادویتاویدانتو (Advaita Vedanto) کے نظریہ پر مبنی ہے۔

c) یہ سماج میں اعلیٰ کردار کو بنانے میں اہم ہے اور یہ تب ممکن ہے جب عدم تشدد، خود غرضی کے خاتمہ اور پاکی کی راہ پر عمل کیا جائے۔

d) اس کا مقصد اپنی غرض کو دوسرے کے لیے قربان کرنا بھی ہے۔

e) سرودیہ گاؤں کی ترقی میں یقین رکھتا ہے کیوں کہ گاؤں ہی جمہوریت کی ایک مضبوط بنیاد بن سکتے ہیں۔

f) سچائی اور عدم تشدد سرودیہ کے دو اہم نقطہ ہے ں۔ اگر سبھی لوگ ان دو نظریہ کو عمل میں لائیں تو سماج میں موجود بدامنی اور بے ضابطگی کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔

g) یہ ایک طرح کا غیر سیاسی نظریہ ہے اور یہ خود کی ضرورت کو محدود کرنے پر مبنی ہے۔

h) یہ قومی یکجہتی اور اتحاد پر قائم ہے اور یہ صوبائیت اور علاقائیت کو پوری طرح خارج کرتا ہے۔

اس طرح سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ گاندھی جی کا 'سرودیہ' کے تصورات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ یہ کسی علاقہ، صوبہ ذات، مذہب اور فرقہ تک محدود نہیں ہے۔ یہ سماج میں موجود سبھی گروہ کی فلاح و بہبود کی وکالت کرتا ہے۔ گاندھی جی کا خیال ہے کہ جمہوریت میں آخری لائن میں کھڑا ہوا فرد تک بھی ملک کی ترقی کا فائدہ پہنچنا چاہئے۔ آزادی، مساوات، انصاف اور بھائی چارہ سرودیہ کے اہم جزو ہیں۔ اس طرح 'سرودیہ' مملکت کا نظریہ پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔ ان کے خیال میں، سوراج کے لیے سرودیہ لازمی ہے۔ سرودیہ انا اور ملکیت کے لحاظ سے اور سرودیہ میں گروہی تنازع کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ معاشراتی فلاح، معقولیت اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی سرودیہ کے بنیادی اصول ہیں۔

6.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم نے سیکھا کہ

- گاندھی جی کا طریقہ، نظریہ اور فلسفہ سے اچھی طرح معلومات حاصل ہوئی۔
- اس اکائی میں گاندھی جی کے کچھ اہم سیاسی نظریہ پر غور و فکر کیا گیا ہے اس سے بھی متعارف ہو گئے ہیں۔
- گاندھی جی کی کرشمائی اور اس کے خاص ستیہ گرہ، اہنسا اور سچائی سے بھی طلبا کو روبرو کرایا گیا ہے۔
- کیسے گاندھی جی کے اس نظریہ سے صرف بھارت ہی نہیں دیگر ممالک کو بھی ایک راستہ ملا۔ اس کو بھی طلبا باخوبی جان پائیں۔
- اس اکائی میں طلبا نے یہ بھی گاندھی جی نے گاؤں اور سماج میں پھیلی برائیوں کا کیسے اپنے فلسفہ کے ذریعہ مقابلہ کیا وہ بھی اس اکائی میں واضح کیا گیا ہے۔

6.10 کلیدی الفاظ (Key words)

1. سفید فام : نسلی طور پر گورے لوگ جو چمڑے کی رنگ والے یا کالے لوگوں سے تفریق کرتے اور خود کو اعلیٰ سمجھتے ہیں
2. : ایک ایسا تصور جس کے مطابق کسی کو جسمانی، روحانی، معاشی، سیاسی، سماجی یہاں تک کے خیالی طور پر بھی بڑا نہ سوچنا یا نقصان نہیں پہنچانا
3. ذرائع : کسی مقصد کو حاصل کرنے کا وسائل
4. گاندھیزم : ایک ایسا نظریہ جس میں گاندھی جی کے خیال، ان کا مقصد، سوچ، تصورات اور فلسفہ کی وضاحت کرتا ہے

6.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

6.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type of Questions)

1. ہندوستان کے بابائے قوم کے نام سے کسے جانا جاتا ہے؟

(a) بی۔آر امبیڈکر (b)مہاتما گاندھی (c)جواہر لال نہرو (d)ان میں سے کوئی نہیں

2. گاندھی جی کی پیدائش گجرات میں کس جگہ ہوئی تھی؟

(a)احمد آباد (b)سابر متی (c)پوربندر (d)گاندھی نگر

3. 'ہند سوراج' کس کی مشہور کتاب ہے؟

(a)جواہر لال نہرو (b)ال گنگادھر تلک (c)امبیڈکر (d)مہاتما گاندھی

4. 'سرودیہ' کے تصور اکو گاندھی جی نے کس مفکرین سے لیا تھا؟

(a)جان رسکن (b)ٹالسٹائی (c)گوپال کرشن گوکھلے (d)ان میں سے کوئی نہیں

5. مہاتما گاندھی جنوبی افریقہ سے ہندوستان کب واپس آئے؟

1918(a) 1914(b) 1915(c) 1920(d)

6. چوری چورا کا واقعہ کب پیش آیا۔

1920(a) 1922(b) 1921(c) 1923(d)

7. مہاتما گاندھی کو 'مہاتما' کا خطاب کس نے دیا تھا؟

(a)سبھاش چندر بوش (b)جواہر لال نہرو (c)ربندر ناتھ ٹیگور (d)ان میں سے کوئی نہیں

8. یہ کس مفکر کا خیال تھا کہ جائز مقصد کے لیے جائز ذرائع ہونا چاہے؟

(a)میکاولی (b)رسکن (c)مہاتما گاندھی (d)کارل مارکس

9. 'Un to the Last' کے مصنف کون ہیں؟

(a)جان رسکن (b)ٹالسٹائی (c)تھورو (d)مہاتما گاندھی

10. گاندھی جی نے اپنا پہلا ستیہ گرہ ہندوستان میں کہاں شروع کیا تھا۔

(a) چمپارن (b)باردولی (c)متھرا (d)احمد آباد

6.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type of Questions)

1. مہاتما گاندھی کی سوانح حیات پر مختصر نوٹ لکھئے۔

2. طویل عرصے کے بعد بھی مہاتما گاندھی کا فلسفہ دنیا میں بامقصد (Relevant) ہے کیوں؟

3. 'سوراج' کے تصور اپر مختصر نوٹ لکھئے۔

4. 'سرودیہ' سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟اس سے سماج کے پسماندہ کو کیسے اُوپر اٹھایا جاسکتا ہے۔

5. گاندھی علمی سے زیادہ عملی تھے۔وضاحت کیجئے۔

6.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type of Questions)

1. مہاتما گاندھی کے 'ستیہ گرہ' کے تصور پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔

2. گاندھی جی کے اہنسا اور سچائی پر ایک مضمون لکھئے۔

3. مہاتما گاندھی جائز مقاصد کے لیے جائز ذرائع کو کیوں اہمیت دیتے تھے،وضاحت کیجئے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

1۔ (b)	2۔ (c)	3۔ (d)	4۔ (a)	5۔ (b)
6۔ (b)	7۔ (c)	8۔ (a)	9۔ (a)	10۔ (a)

تجویز کردہ کتابیں(Suggested Books)

1. Gauba, O. P. (2021), *Indian political thought*, National Paperback, New Delhi.
2. Syed Anwarul Haq and Md. Hasnain Kidwai (2003), *Jadeed Siyasi fikr*, NCPUL, New Delhi.
3. Andrew Heywood (2005), *Political theory*, Palgrave Macmillan.
4. Indian Book Distributors (2017), *My Experiment with Truth*: M K Gandhi an autobiography.
5. Rajeev Bhargava & Ashok Acharya (2017), *Political theory: An introduction*, Pearson.
6. Desai, P. B. (1968). *Basaveshwara and the Lingayat Movement*. Dharwad: Karnatak University Press.
7. Hiriyanna, M. (1993). *Philosophical Traditions of India*. Delhi: Motilal Banarsidass.
8. Sakhare, M. R. (1978). *Basaveshwara and His Times*. Dharwad: Karnatak University.
9. Shastri, V. S. (1996). *The Rebel Saint: Basavanna*. Bangalore: The Cultural Academy Press.
10. Shivanna, M. (2001). *Basavanna: The Path-Breaking Reformer*. Bangalore: Nivedita Publications.
11. Oxford University Press. (1990). *Vachanas of Basavanna: Translated and Edited*. London: Oxford University Press.
12. Srinivasan, K. R. (1983). *Socio-Religious Reforms in Medieval India*. Delhi: Bhartiya Vidya Bhavan.
13. Ali, S. (2010). *History of Medieval Karnataka*. New Delhi: Atlantic Publishers.
14. Guha, O. P., *Indian Political Thought*, National Paper Book, New Delhi.
15. Heywood, Andrew, (2015) *Political Theory: An Introduction*, Macmillan,
16. Wolf, Jonathan, (2002) *An Introduction to Political Philosophy*, Oxford,
17. Sushila Ramaswamy, (2014) *Political Theory: Concept and Ideas*, 2nd ed., Prentice-Hall,
18. Jayapalan, N., *Indian Political Theories: Modern Indian Political Thought*, Atlantic Publishers and Distributors.
19. Pandey, R. (2016). *Indian political thought: Themes and thinkers*. Routledge India.
20. 1. Manusmriti. (2006). *The Laws of Manu*. Translated by G. Bühler. Delhi: Motilal Banarsidass Publishers.
21. Ambedkar, B. R. (1946). *Who Were the Shudras?* Bombay: Thacker & Co.
22. Sharma, R. S. (1991). *Aspects of Political Ideas and Institutions in Ancient India*. Delhi: Motilal Banarsidass Publishers.
23. Kane, P. V. (1974). *History of Dharmasastra* (Vol. 3). Poona: Bhandarkar Oriental Research Institute.
24. Doniger, W., & Smith, B. K. (1991). *The Laws of Manu*. London: Penguin Classics.

نمونہ امتحانی پرچہ

ہندوستانی سیاسی فکر

Time: 2 hours **Maximum Marks: 35**

ہدایات:

یہ پرچہ تین حصوں پر مستمل ہے حصہ اول، حصہ دوم اور حصہ سوم۔ ہر جواب کے لئے لفظوں کی تعدات اشارہ ہے۔ تمام حصوں سے سوالوں کا جوب دینالازمی ہے۔

1۔ حصہ اول میں 5 لازمی سولات ہیں جو کہ معروضی سولات ہیں۔ ہر سولات کا جواب دینالازمی ہے۔ ہر سوال کے لئے ایک نمبر مختص ہے۔

(1x5 =5 Marks)

2۔ حصہ دوم میں 6 سولات ہیں اس میں سے طالب علم کوئی 4 سوالوں کے جواب تقریباً (200) دو سو لفظوں میں دیتے ہیں۔ ہر سوال کے لئے 5 نمبرات مختص ہیں۔

(5x4= 20 Marks)

3۔ حصہ سوم میں 2 سولات ہیں۔ اس میں سے طالب علم کو کوئی 1 سوال کا جواب دینالازمی ہے۔ سوالوں کا جواب تقریباً پانچ سو (500) لفظوں پر مشتمل ہونا چاہئے۔ اس سوال کے لئے 10 نمبر مختص ہیں۔

(1x10= 10 Marks)

حصہ اول

i. منو کے نظام میں انصاف فراہم کرنے کا ذمہ دار کون تھا؟

(a) بادشاہ (b) تاجر (c) پادری (d) فوج

ii. 'ارتھ شاستر' کتاب کا مصنف کون ہے؟

(a) چندر گپت (b) کوٹلیا (c) منو (d) ان میں سے کوئی نہیں

iii 'ہندو کوڈ بل' کس کی قیادت میں پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا تھا؟

(a) جواہر لعل نہرو (b) امبیڈکر (c) سردار ولبھ بھائی پٹیل (d) ان میں سے کوئی نہیں

iv. راشٹریہ سویم سیوک سنگھ (آر ایس ایس) کب قائم کی گئی؟

1920(a) 1922(b) 1924(c) 1925(d)

v. مہاتما گاندھی کو 'مہاتما' کا خطاب کس نے دیا تھا؟

(a)سبھاش چندر بوش (b)جواہر لال نہرو (c)رابندر ناتھ ٹیگور (d)ان میں سے کوئی نہیں

حصہ دوم

2 .امبیڈکر کے نظریہ سماجی انصاف کو مختصر طور پر بیان کیجیے۔

3 .ویر ساور کر کے ہندوتو فلسفہ پر غور و فکر کیجئے۔

4.'سوراج' کے تصور پر مختصر نوٹ لکھیے۔

5.منو کی سیاسی فکر میں دھرم کا کردار بیان کیجئے۔

6.باسوا اٹا نے صنفی عدم مساوات کو کس طرح حل کیا؟

7.ہندوستانی سماج میں امبیڈکر کے رول کا مختصر جائزہ لیجیے۔

حصہ سوم

8.مہاتما گاندھی کے 'ستیہ گرہ' کے تصور پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔

9.کوٹلیا کے سپتانگ نظریہ کی وضاحت کیجیے۔